

# تاریخ القرآن



== مؤلف ==

حضرت علامہ مفتی عبداللطیف رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی - ۶

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

# تِلْكَ آيَاتُ الْمُرْسَلِينَ

تالیف

علامہ عبد اللطیف رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

شاہ ابوالخیر اکادمی، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶

۱۳۰۳ھ ۱۹۸۳ء

کتاب کا نام:	تاریخ القرآن
صفحات:	۱۳۴
مصنف:	علامہ مفتی عبداللطیف رحمانی
مہتمم:	ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی (ڈائریکٹر)
طابع و ناشر:	شاہ ابوالخیر اکادمی
	درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرہ
	شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی-۶
کتابت:	محمد منظور الدین - ۳۶۵ - میا محل - دہلی-۶
تعداد:	ایک ہزار
قیمت:	پندرہ روپے

## حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی کی مطبوعات

- ۱۔ مقاماتِ اخیار (سوانح حیات ابوالخیر) فارسی آفسٹ ۲۰/۰۰
- ۲۔ مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر) اردو  $\frac{۲۶ \times ۲۰}{۸}$  ۳۰/۰۰
- ۳۔ مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر)  $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$  ۲۵/۰۰
- ۴۔ حضرت مجدد اوران کے ناقدین آفسٹ ۱۵/۰۰
- ۵۔ تاریخ القرآن از مفتی عبداللطیف رحمانی آفسٹ ۱۵/۰۰
- ۶۔ بزمِ خیر از زید در جواب بزمِ جمشید آفسٹ ۱۲/۰۰
- ۷۔ علامہ ابن تیمیہ اوران کے ہمعصر علماء آفسٹ ۱۲/۰۰
- ۸۔ معمولاتِ خیر از مولانا محمد نعیم اللہ خیالی آفسٹ ۱۰/۰۰
- ۹۔ مجموعہ خیر البیان، خیر المورود، نظم شمائل ۱۰/۰۰
- ۱۰۔ منہج الألباء فی السلام علی الانبیاء والرضاء عن الأولیاء ۱/۵۰

ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا

## فہرست مضامین تاریخ القرآن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰	اس کی تردید کہ عرب میں ایسی چیز نہ تھی جس پر لکھا جاتا	۱۰	اداریہ
۱۲	اسکی تردید کہ حجاج سے پہلے عرب قرطاس نہ جانتے تھے	۱۲	پیش لفظ
۱۶	قرآن مجید سے قرطاس کا ثبوت	۱۶	مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر
۱۸	قرآن کے بارے میں آنحضرت کی ترغیبات	۱۸	تمہید
۱۸	ترغیبات کی بارہ حدیثوں کا خلاصہ	۱۸	بیان مشبہات
۱۹	آنحضرت قرآن کی خود تعلیم دیتے تھے	۱۹	ثبوت کی تین صورتیں
۲۱	ابوالدردار نے قرآن حضور سے پڑھا	۱۹	قرآن کا سلسلہ متواتر ہے
۲۲	ابن مسعود نے ستر سے زیادہ سورتیں حضور سے اس وقت تک	۲۱	واقعات کی جانچ پڑتال کے تنقیدی اصول
۲۲	پڑھ لی تھیں جبکہ زید بن ثابت نے پڑھنا شروع نہیں کیا تھا	۲۲	اس رسالہ کی سطح تدوین قرآن کے ثبوت میں کستفیلیند
۲۴	حضور کا صحابہ کرام کو قرآن پڑھانے کیلئے مقرر کرنا	۲۲	حامداً و مصلیاً
۲۵	نومسلموں کی تعلیم کے لئے حضور کا قاری مقرر کرنا	۲۴	قرآن جن الفاظ اور ترتیب پر عہد نبوی میں تھا اب تک ہے
۲۵	حضور مکہ میں بھی قرآن کی تعلیم دیتے تھے	۲۵	قرآن کے تحفظ کا ثبوت مسلمانوں کی عملی زندگی سے
۲۵	ان بچیس قبیلوں کے نام جو مدینہ آکر مسلمان ہوئے	۲۵	صحابہ کا حافظہ فطرتاً قوی تھا
۲۵	ولیم نبیور کی شہادت	۲۵	ان کی قوت حافظہ پر ولیم مور کی شہادت
۲۵	حضور کا ہر قبیلہ میں معلم قرآن مقرر فرمانا	۲۵	کتابوں کی حفاظت کے اسباب
۲۶	مکی فوجی عہدے کیلئے قرآن کی سند شرط تھی	۲۶	تاریخ القرآن کے اہم مضامین کیا ہوں گے
۲۶	ایک کم عمر جنرل کی تقرری محض قرآن کی وجہ سے	۲۶	قرآن کی ضرورت ہر خاص و عام کو ہے
۲۶	امام وہی ہو سکتا ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو	۲۶	کتاب کی حفاظت کا عمدہ ذریعہ کتابت ہے
۲۶	اس پر ابن ہشام کی شہادت	۲۶	اکتالیس صحابہ کے نام جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے
۲۶	احمد کے شہداء کی تدفین میں قرآن کی وجہ سے امتیاز	۲۶	عرب میں کتابت کافن کس سے شروع ہوا
۲۶	قرآن کی اشاعت کی ایک وجہ فصاحت بھی ہے	۲۶	عہد نبوی سے پہلے عرب میں کتابت کا رواج تھا
۲۶	اہل عرب بلاغت کی پرستش کرتے تھے (حاشیہ)	۲۶	اسیران بدر کا کتابت کی تعلیم کے لئے مقرر ہونا
۲۸	ذریعہ سوریں تک سبب معلقہ کا مسجود رہنا	۲۶	عرب میں کافذ کا رواج کس نے دیا
		۲۸	عہد نبوی میں ایسی چیز جس سے کافذ کا کام لیا جاتا تھا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷	علم کتابت عام کمال میں اعلیٰ اور اقدم ہے	۲۳	فصحا عرب نے قرآن سن کر شعر کہنا چھوڑ دیا تھا
۵۸	مدینہ کے لوگوں کو کتابت کی تعلیم	۲۳	خالد بن ولید کا اسلام
۵۹	عہد نبوی کی مستورات لکھنا جانتی تھیں	۲۴	دربار حبشہ میں قرآن کی بلاغت کی معجزہ ثنائی
۵۹	آنحضرت کا عبرانی کو سیکھنے کا حکم فرمانا	۲۴	قرآن کی فصاحت پر اہل زبان کی حیرت
۵۹	ان چوبیس اصحابیوں کا نام جن آپ نے پڑھنے کا کام لیتے تھے	۲۴	مشرکین چمپ چمپ کر قرآن سنتے تھے
۵۹	سند عیسوی سے دو سو سال پہلے چین میں کلغز کا رواج تھا	۲۵	طفیل دوسی کا اسلام
۶۰	ابن بعبرہ کا کتب خانہ	۲۵	سوید بن صامت کا اسلام
۶۰	عرب میں بجائے کاغذ دوسری چیز ضرور تھی	۲۵	امید اور سعد قرآن سن کر مسلمان ہو گئے
۶۰	خلیفہ اول نے عہد نبوی کے کچھ ہی روز بعد قرآن لکھوایا	۲۶	کتاب کے محفوظ رکھنے کے چار اسباب
۶۰	حضرت عمرو عاتق و عبداللہ بن عمر و حفصہ کے پاس لکھا ہوا قرآن تھا	۲۶	قرآن کے لئے یہ چاروں حاصل تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	عہد نبوی میں مسلمان و حافظہ بمنزلہ لفظ مترادف تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	صحابہ قرآن فوراً حفظ کر لیتے تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	بیر معونہ میں ستر حافظ شہید کئے گئے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	جنگ یمامہ میں ستر حافظوں کا شہید ہونا
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	حضرت عبداللہ ایک رات میں قرآن ختم کرتے تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	عہد نبوی کے سینتیس حافظوں کا مختصر حال
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	ابو موسیٰ کی فوج میں تین سو حافظ تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	ان عورتوں کے نام جنہوں نے قرآن حفظ کیا تھا
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	اس حدیث کی تشریح کر چار کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	حفظ قرآن اور جمع قرآن میں فرق
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	جمع کے معنی پر بخاری کی شہادت
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	اس غلطی پر کہ چار کے سوا قرآن کسی کو یاد نہ تھا، پانچ تنبیہ
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	قرآن کی کتابت
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	کتابت قرآن کے اہم مباحث
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	عہد نبوی میں آلات کتابت کا ہونا
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	اہل مکہ کتابت جانتے تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	صرف قریش میں سترہ کاتب تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	ان دس صحابیوں کے نام جو کتابت جانتے تھے
۶۱	حفظ قرآن	۲۶	بخاری کی مشہادت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۳	دوسرا واقعہ	۷۳	استیعاب کی شہادت (حاشیہ)
۷۴	تیسرا واقعہ	۷۴	کتاب کی حفاظت کا واحد ذریعہ حفظ نہیں ہو سکتا
۷۴	چوتھا واقعہ	۷۴	معاملات کو قرآن نے یاد کے اعتماد پر نہیں چھوڑا
۷۵	چند اور ایسے لوگوں کے نام جو قرآن لکھتے تھے	۷۴	إِذْ أَنْتَدِیْتُمُ یدِیْنِیْ کی تفسیر
۷۵	دیکھ کر قرآن پڑھنا حفظ سے بہتر ہے	۷۴	لکھنے کے چند فائدے
۷۶	حضور قرآن اپنے لئے نہیں لکھاتے تھے	۷۴	یاد سے کس کو فائدہ ہوگا
۷۶	پورا قرآن لکھ کر حضور کو سنایا گیا	۷۵	آنحضرت کی بعثت عامہ قبامت تک
۷۶	صحابہ حضور کے ارشاد کے موافق لکھتے تھے	۷۵	اس بات کا رد کہ آنحضرت کو کتابت کا خیال نہ ہوا
۷۶	قرآن کے دو قابل لحاظ امر	۷۵	آپ نے صدقہ کے احکام حضرت علی کو لکھوا دیئے تھے
۷۶	قرآن کس کو کہتے ہیں، قرآن کی تعریف	۷۶	کتابت قرآن پر تفصیلی بحث
۷۸	کلام معجز کو کیسا ہونا چاہیئے	۷۶	عہد نبوی میں قرآن لکھا گیا یا نہیں
۷۸	سورتوں کی آیات میں خاص طرح کا ربط ہے	۷۶	قرآن سے قرآن کے لکھے جانے کا ثبوت
۷۸	ہر سورت کا موضوع جملہ ہے	۷۶	حضور لکھوا کر دوبارہ اصلاح فرمادیتے تھے
۷۹	تمام سورتوں کی ترتیب وحی الہی سے ہے	۷۸	لکھتے وقت آیت کا مقام و ترتیب بتلا دیتے تھے
۷۹	ترتیب آیات کی حدیثیں	۷۸	احتیاط کی وجہ سے حدیث لکھنے کی ممانعت
۸۶	سورتوں کی ترتیب کی حدیثیں	۷۸	حضرت ابوسعید کا حدیث لکھنے سے انکار
۸۹	مال متروکہ میں قرآن چھوڑنے کا ثواب	۷۹	حضور خود قرآن لکھواتے تھے
۸۹	حضور نے آخری دو ختم زید اور ابن مسعود کی موجودگی میں کئے	۷۹	صحابہ حلقہ باندھ کر لکھتے تھے
۸۹	زید نے اپنا لکھا ہوا قرآن اسی آخری ختم کے وقت سنایا تھا	۷۹	قرآن سب سے نے قرآن یاد کر کے حضور کو سنایا تھا
۸۹	موجودہ قرآن اسی آخری ختم کی ترتیب ہے	۷۹	حدیث لہر یجمع القرآن غیر اربعۃ کامل
۹۰	اس پر مولانا بحر العلوم کی شہادت	۷۹	استیعاب کی شہادت
۹۰	دوسری شہادت تنزیہ الفرقان کی	۷۹	عبادہ بن الصامت نے پورا قرآن عہد نبوی میں سیکھا تھا
۹۰	تیسری شہادت امام مالک کی	۷۹	صحابہ عموماً ہر سفر میں قرآن ساتھ رکھتے تھے
۹۰	چوتھی شہادت امام بغوی کی	۷۹	قرآن مجید ساتھ رکھنے کے وجہ
۹۱	پانچویں شہادت ابن حصار کی	۷۹	صحابہ ایک ہفتہ میں قرآن ختم کرتے تھے
۹۱	چھٹی شہادت ابو جعفر کی	۷۹	اس معمول پر چند شہادتیں
۹۱	ساتویں شہادت امام نووی کی	۷۹	اس کا رد کہ سب صحابہ یاد سے پڑھتے تھے
۹۱	آٹھویں شہادت ولیم مور کی	۷۹	عہد نبوت میں ناظرہ خواں بھی تھے
۹۲	نویں شہادت فاضل محمد بن الحسن کی	۷۹	پہلا واقعہ

## تاریخ القرآن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۳	علامہ ابن حزم کی رائے	۹۳	قرآن کی سندیں تو اتر کی حد سے زیادہ ہیں
۱۰۳	امام محی الدین نووی کی رائے	۹۳	قرآن کی ترتیب پر علامہ ابن حزم کی تحریر
۱۰۳	قاضی ابوبکر کی رائے	۹۴	ان روایتوں کی تنقیح جن سے مشبہ کا موقع ملتا ہے
۱۰۳	امام فخر الدین رازی کی رائے	۹۴	اشتبہ کی پہلی روایت
۱۰۳	علامہ بحر العلوم کی رائے	۹۴	معوذتین قرآن سے خارج ہے
۱۰۵	اشتبہ کی دوسری روایت	۹۵	معوذتین کے متعلق ابن مسعود سے تین شخصوں کی روایت
۱۰۵	سورتوں کی ترتیب صحابہ کی رائے پر ہوئی ہے	۹۵	پہلی روایت عبدالرحمن کی
۱۰۵	اس حدیث پر ترمذی کی رائے	۹۶	دوسری روایت علقمہ کی
۱۰۶	عوف قدری اور شیعہ تھا	۹۶	تیسری روایت زر بن حبیش کی
۱۰۶	عوف کے متعلق ایک ضوری روایت	۹۸	زر کی پہلی اور دوسری اور تیسری اور چوتھی روایت
۱۰۶	عوف کو رافضی شیطان کہا گیا ہے	۹۸	عبدالرحمن کے علاوہ کسی کی روایت نہیں انہما ایستامین
۱۰۶	عوف کے متعلق امام مسلم کا فیصلہ		کتاب اللہ
۱۰۶	عوف کی روایت پر محققانہ فیصلہ	۹۸	عبدالرحمن کی روایت کے عدم صحت پر نو دلیلیں
۱۰۶	متواتر روایتوں سے ثابت ہے کہ قرآن کی ترتیب	۹۹	عبدالرحمن اس روایت میں متقدم ہے
	آنحضرت کی ترتیب ہے	۹۹	ابو اسحاق اہل کوفہ سے صحیح روایت نہیں کرتا
۱۰۸	سورۃ برارۃ اور سورۃ انفال مستقل سورتیں ہیں	۹۹	اعمش کی ان سے روایت صحیح نہیں ہوتی
۱۰۸	پہلی شہادت	۹۹	اعمش شیعہ ہے
۱۰۸	دوسری شہادت	۹۹	اس روایت میں دو فسادوں کا اجتماع
۱۰۹	تیسری شہادت	۹۹	اس کی حدیث موضوع ہے
۱۰۹	چوتھی شہادت	۹۹	حضرت ابن مسعود کی بدنامی کا احتمال
۱۱۰	صحابہ سات دن میں کس ترتیب سے قرآن ختم کرتے تھے	۹۹	طرائق کی روایت کہ معوذتین قرآن میں سے ہے
۱۱۱	حضرت ابن عباس کی حدیث پر معنوی بحث	۱۰۰	ابن مسعود معوذتین سے ناواقف نہ تھے
۱۱۱	اس حدیث کی دو باتیں	۱۰۰	زر بن حبیش کی روایت کی جانچ
۱۱۱	۱۔ انفال اور برارۃ ایک ساتھ کیوں لکھی گئیں	۱۰۱	علقمہ کی روایت کی تنقیح
۱۱۱	۲۔ قرآن کی ساٹھویں سورتوں کیساتھ ان کو کیوں لکھا گیا	۱۰۲	معوذتین کی حدیث پر محققانہ فیصلہ
۱۱۱	حضرت عثمان کا جواب	۱۰۲	ان روایتوں کے عدم صحت پر تین زبردست وجوہ
۱۱۲	جواب ۱۔	۱۰۲	معوذتین کا روایت متواترہ سے ثبوت
۱۱۲	جواب ۲۔	۱۰۲	عاصم، حمزہ، کسائی، خلف کی متواتر سند
۱۱۳	اس جواب پر تامل اور حضرت عثمان کی تنزیہ	۱۰۳	اشتبہ کی روایات کے عدم صحت پر چند جدید علما کی رائے



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۲	خلافت ثلاثہ کا مختصر حال	۱۱۳	انفال اور برارہ کے باہم مشابہ ہونے پر بحث
۱۲۳	عہد فاروق میں ایک لاکھ سے کم نسخے قرآن کے نہ تھے	۱۱۳	بسم اللہ سورہ توبہ میں کیوں نہیں لکھی گئی
۱۲۴	زہری کی حدیث کی سند	۱۱۴	اشتبہ کی تیسری روایت
۱۲۴	یہ حدیث خبر آحاد سے صرف زہری کی روایت ہے	۱۱۵	اس آیت کے متعلق چند ضروری باتیں
۱۲۵	زہری حدیث میں اپنا کلام ملاتے تھے، اس پر المعتمر	۱۱۵	پہلی خلافت دور میں تین مہینے گیارہ روز زہری
۱۲۵	کی مشہادت	۱۱۵	جنگ یمامہ سالہ ہجری کے آخر میں واقع ہوئی
۱۲۵	زہری کے بیان میں اختلاف ہے اور دوسری صحیح	۱۱۶	اس میں گیارہ سو مسلمان شہید ہوئے ان میں ستر قاری تھے
۱۲۶	روایت کے خلاف ہے	۱۱۶	اس میں مشہور قرار میں سے سالم شہید ہوئے
۱۲۶	حدیث بخاری کے، معارف ابن قتیبہ کے ترمذی کے خلاف	۱۱۶	زید بن ثابت نے آنحضرت کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا
۱۲۶	استیعاب میں زہری کی مخالفت کا بیان	۱۱۷	عثمان، علی، ابوذر یفہ، سالم نے حضور کی حیات میں
۱۲۶	یہ روایت یا توبہ ۱۱۱ سے یا درمیانی راوی کی غلطی ہے	۱۱۷	قرآن جمع کیا
۱۲۷	کنز العمال کی حدیث اور کشف حقیقت	۱۱۷	حضور نے خود قرآن لکھایا اور صحابہ نے لکھا
۱۲۷	عہد نبوی میں دس شخصوں نے پورا قرآن جمع کیا تھا	۱۱۷	اگر عہد نبوی میں قرآن جمع نہ ہوتا تو مسلمانوں کا پہلا
۱۲۸	کیف یفعل شیئا لم یفعله رسول اللہ کی نسبت غلط	۱۱۷	کام جمع کرنا ہوتا
۱۲۸	نیز لم یفعله رسول اللہ، خود غلط ہے	۱۱۸	جنگ یمامہ کے بعد قرآن کس نے جمع کیا
۱۳۰	خلیفہ اول کا جمع کردہ قرآن بیت المال کا ہوگا	۱۱۸	مشورہ کرنا حضرت ابوبکر کی عادت تھی
۱۳۰	خلیفہ اول نے اس کو بیت المال میں جمع نہیں کیا	۱۱۹	کسی کتاب کی صحیح نقل کے لئے کتنے اہتمام کی ضرورت ہے
۱۳۰	حضرت ابوبکر کے پاس بیت المال کی کیا کیا چیزیں تھیں	۱۱۹	زید نے خلافت مدنی کے نو ماہ گزرنے کے بعد جمع قرآن
۱۳۱	ایک خیالی ہبہ نامہ کا رد	۱۱۹	کا کام شروع کیا
۱۳۱	سورہ برارہ کا آخری حصہ صرف ابو خزیمہ کے پاس نکلا	۱۱۹	ابنی تمام قرآن کے سردار ہیں
۱۳۱	زہری کی روایت میں چھ باتیں غلط ہیں	۱۲۰	فاروقی عظیم کے اہتمام میں تعلیم قرآن کا مختصر نمونہ
۱۳۱	اور وزمہ کے تجربہ کے خلاف ہیں	۱۲۱	حضرت عمر نے قرآن کی تعلیم جبری قائم کی تھی
۱۳۲	ایک عجیب بات زبان زد جھوٹ صداقت کا رنگ اختیار کرتا ہے	۱۲۱	ابوالدردار کے حلقہ درس میں سورہ سور سے زیادہ طلبہ ہوتے تھے
۱۳۲	نقد بخاری بھی اس شہرت کے آگے ماند	۱۲۱	ابن مسعود کے حلقہ درس میں چار ہزار طلبہ ہوتے تھے
۱۳۳	خلافت عثمانی میں قرآن کا جمع ہونا	۱۲۲	حضرت فاروق نے قرآن کی کتابت کے لئے مدرسہ قائم کیا
۱۳۴	اس حدیث میں پانچ باتیں	۱۲۲	خلیفہ اول نے قرآن جمع کیا مگر شائع نہ کیا
۱۳۴	اس پر تنقیحات	۱۲۲	شائع نہ کرنے کی وجہ
		۱۲۲	حضور کی وفات کے وقت اسلام کی اشاعت کہاں کہاں ہوئی



لَكَ الْحَمْدُ يَا مَنْ فَضْلُهُ مُتَوَاتِرٌ  
وَيَا مَنْ لَهُ جُودٌ عَظِيمٌ وَغَايِرُ  
لَكَ الْحَمْدُ مِنِّي فَأَقْبَلِ الْحَمْدَ إِنِّي  
لِجُودِكَ وَالْإِحْسَانِ وَالْفَضْلِ شَاكِرٌ



## ادارہ

حضرت مولانا مفتی عبداللطیف رحمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصنیفِ قیم "تاریخ القرآن" کو ادارہ حضرت "شاہ ابوالخیر اکاڈمی" اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چھاپ رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت والد ماجد شاہ ابوالحسن زید فاروقی دامت برکاتہ نے اس کتاب کی تعریف ان مختصر اور جامع الفاظ میں فرمائی۔

”اگر یہ نایاب کتاب بار دیگر طبع ہو جائے تو دل کو نہایت مسرت حاصل ہوگی، جمع کلام الہی کے سلسلہ میں ایسی مختصر جامع اور پراز حقائق و دقائق شاید ہی کوئی دوسری کتاب ہو“

اس اکاڈمی کا اولین مقصد تو یہ ہے کہ حضرت والد ماجد کی ان تالیفات کو جو مدت سے مخطوطات کی شکل میں رکھی ہوئی ہیں جلیہ طباعت سے آراستہ کر کے ہدیہ ناظرین کرے۔ اور دوسری تمنا یہ ہے کہ جن علمی اور مستند کتابوں کے بارے میں سفارش فرمائیں کہ وہ اکاڈمی کی طرف سے طباعت و اشاعت کے قابل ہیں ان کو اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی عبداللطیف رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یہ موقر اور پُر مایہ کتاب "تاریخ القرآن" اگرچہ ایک مرتبہ طبع ہو چکی ہے جس کا ذکر حضرت والد ماجد نے "پیش لفظ" میں فرمایا ہے لیکن وہ ایک عرصہ سے تقریباً نایاب ہے اس لئے "شاہ ابوالخیر اکاڈمی" اس کو دوبارہ شائع کر رہی ہے۔ یقین ہے کہ قرآن کریم کی صحیح تاریخی عظمت اور اس کے حقائق کو کما حقہ سمجھنے کے تمنائی اس کتاب سے خاطر خواہ بہرہ اندوز ہوں گے۔

(ڈائریکٹر) محمد ابوالفضل فاروقی

یکشنبہ ۲۷ محرم ۱۴۰۳ھ  
۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء

# مقدمہ



تالیف فرمائی۔

حیدرآباد کے دوران قیام میں آپ نے جامع ترمذی کی شرح "الشرح اللطیف" کے نام سے اور تراجم صحیح بخاری کی شرح "لطف الباری" کے نام سے لکھی ہے، یہ دونوں کتابیں مکمل ہو چکی ہیں اور ان کے مخطوطے محفوظ ہیں۔

آپ کی وفات سے غالباً دو سال پہلے علی گڑھ جا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ بزرگ شہادت سے پیش آئے اور الشرح اللطیف کی ایک جلد مطالعہ کے واسطے عنایت کی۔ تقریباً پون گھنٹہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہا، افسوس یہ ہے کہ اس کے متعلق یادداشت نہیں لکھی البتہ اتنا یاد ہے کہ شرح مختصر ہے اور بہت مفید، اگر یہ کتاب چھپ جائے اہل علم میں ہندوستان کے علماء کی منزلت میں اضافہ ہو۔

اس کتاب کے سلسلہ میں علامہ سید احمد رضا بجنوری حفظہ اللہ وابقاہ کی ایک تعلق نظر پڑی ہے اس کو نقل کرتا ہوں، تحریر فرمایا ہے :-

مخدوم و محترم حضرت مولانا مفتی محمد فضل اللہ صاحب (محشی الأدب المفرد للبخاری) نے نہایت عظیم الشان اعانت یہ فرمائی کہ حضرت المحدث العلام مولانا مفتی عبداللطیف رحمانی صاحب (مصنف تذکرہ عظیم وغیرہ) کی شرح ترمذی شریف قلمی استفادہ کے لئے عنایت فرمائی حضرت مفتی صاحب نے ترمذی شریف پر نہایت جامع و مختصر تعلیقات محدثانہ و محققانہ طرز سے تحریر فرمادی ہیں جو درس ترمذی شریف کے لئے نہایت مفید ہیں، دارالعلوم دیوبند جیسے علمی اداروں کا فرض ہے کہ ایسی گرانقدر تصانیف کی اشاعت کریں۔ بہر حال میں حضرت مولانا دام فضلہم کی عنایت و الطاف کا بہت ممنون ہوں یہ

آپ کی علمی چار کتابیں ہیں، ان میں سے دو چھپی ہیں اور وہ بھی ناپید نہ تذکرہ عظیم دستیاب ہے نہ تاریخ القرآن، اتفاق سے اس کا تذکرہ رفیق محترم حافظ جمیل الرحمن خاں سے کیا۔ آپ کو قرآن مجید کے تراجم اور مطالب سے شغف ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کارو ترجمہ اور حضرت مولانا افضل رحمانی گنج مراد آبادی کا ہندی ترجمہ اکثر و بیشتر مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے بیان کیا "تاریخ القرآن" کہیں دستیاب نہیں ہوتی البتہ ہارڈنگ لائبریری اور آزاد بھون انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن لائبریری میں موجود ہے اور میں نے وہاں بیٹھ کر اس کتاب کو نقل کیا ہے۔ اور آپ نے اپنا تحریر کردہ نسخہ مجھ کو مطالعہ کے واسطے دیا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ صفحہ ایک سو دس، گیارہ اور بارہ میں عربی

لہ الرار الباری شرح اردو صحیح البخاری جلد اول اقساط سوم ص ۱۲

لہ آپ کا مسجد کے پاس لگی مولوی قطب الدین کے رہنے والے ہیں اور اب دو چار سال سے پہاڑی بھوجلہ پر قیام ہے۔

عبارت کے ترجمہ کی جگہ خالی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمہ کی خالی جگہ اور حاشیہ پر اس کتاب کے متعلق اپنی رائے لکھی ہے اور میں نے آپ کی رائے نقل کر لی ہے۔

علماء اعلام نے فرمایا ہے: "فَعَلَّ الْحَكِيمُ لَا يَخْلُو عَنِ الْحِكْمَةِ" حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت حکیم مطلق ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت ہے۔ تاریخ القرآن کا نسخہ بہت تلاش کرایا۔ نہ صرف دہلی میں بلکہ دوسرے شہروں میں بھی کہیں دستیاب نہ ہوا اور نہ کسی سے مستعار ملا۔ حافظ جمیل الرحمن کا قلمی نسخہ ملا اور اس میں مولانا آزاد کی رائے ملی۔

حافظ جمیل الرحمن نے یہ بھی بیان کیا کہ مولانا آزاد نے کتابوں پر دلچسپ انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ایک مستشرق کی کتاب پر لکھا ہے :-

"برسوں کی جی ہوئی اُس کے دل کی سیاہی اُس کے قلم کی لغزش سے ٹپکی اور بُری طرح ٹپکی"

اور ایک کتاب پر تحریر کیا ہے :-

"مولوی صاحب کا داغ تو کچھ مہذب معلوم ہوتا ہے لیکن دل تو زرا گنوار ہے"

مولانا آزاد کی یہ آثار جرائدوں نے اپنی خصوصی کتابوں پر لکھی ہیں ان کے ضمیر کی آواز ہے جو ہر قسم کے اغراض سے پاک ہے۔ اب میں مولانا کی وہ تحریر لکھ رہا ہوں جو آپ نے حضرت مفتی کی کتاب تاریخ القرآن کے صفحات ایک سو دس گیارہ اور بارہ پر تحریر کی ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ اس تحریر سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ مولانا نے دقیق نظر سے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور جناب مولف نے جو اہم عنوانات منتخب کیے ہیں جیسے:

- (۱) قرآن کے تحفظ کا ثبوت مسلمانوں کی عملی زندگی میں (۲) قرآن کے بارے میں آنحضرت کی ترغیبات۔
- (۳) کتاب کے محفوظ رکھنے کے چار اسباب (۴) عہد نبوی میں سینتیس حافظ تھے (۵) ابو موسیٰ کی نوح میں تین سو حافظ۔ (۶) قرآن سب سے پہلے قرآن یاد کر کے حضور کو سنایا (۷) پورا قرآن لکھ کر حضور کو سنایا گیا۔
- (۸) حضور نے قرآن کے آخری دو ختم موجودگی زید اور عبداللہ بن مسعود کیا تھا (۹) زید نے اپنا لکھا ہوا قرآن اسی آخری ختم کے وقت سنایا تھا (۱۰) موجودہ قرآن اسی آخری ختم کی ترتیب ہے۔
- (۱۱) ان روایتوں کی تنقیح جن سے شبہ کا موقع ملتا ہے۔

جناب مولانا نے ان عنوانات پر حضرت مولف کی بحث کو دقیق نظر سے پڑھا اور ان کی ثروف نگاہی کے قائل ہوئے۔ جناب مولف نے ان حقائق کو سامنے رکھا ہے جو قطعی اور یقینی ہیں اور ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا ہے جو بعض اخبار آحاد کی وجہ سے وارد ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عنایت کرے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ابوالحسن زید فاروقی

درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶

جمعہ ۲۶ رجب ۱۳۲۲ھ / ۲۱ مئی ۱۹۸۲ء

## مولانا ابوالکلام آزاد و ماحمہ اللہ کی تحریر

”محترم مصنف کو اسلامی علوم پر ایسا عبور ہے کہ عالم اسلام کے علماء جدید بھی شاید نہ سمجھتے ہوں۔ اس رسالہ میں انھوں نے قرآن عزیز کی تاریخی بحث علمی عدالت عالیہ میں اس انداز سے اٹھائی ہے جس طرح ایک باصلاحیت وکیل مخالف فریق کے ناپاک ارادوں پر وار کرے اور اس کے پرفریب تخیل کے ہر پیچیدہ موڑ پر سخت گرفت کرے اور اپنے مقدمہ کی تکمیل میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

اشتباہ رکھتی روایات کے پس پر وہ جو پس منظر ہے مصنف کی اس پر گہری نظر ہے۔ اس بحث کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا دماغ علم و دانش کا مخزن ہے۔ کتاب کے انداز نگارش سے یہ نکتہ بھی صاف صاف نمایاں ہے کہ وہ مہینوں لگا کر اس عنوان پر عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں ان کی زندگی کی کوئی صبح یا شام ایسی نہیں گزری ہوگی جس پر انھوں نے اس مسئلہ کی مثبت اور منفی پہلو پر فہم و تدبیر کے ساتھ نہ سوچا ہو۔ ان کے قلم سے کاغذ پر سیاہی نہیں گرتی جو پھیلے اور بڑی جگہ گھیر لے اور ذوق سلیم پر گرانی کا باعث بنے۔ یہاں ان کے قلم کی نوک احتیاط کا دامن تھام کر احتیاط سے صحیح صحیح واقعہ نگاری کرتی ہے۔ کیونکہ مصنف نے عنوانات اہم مقرر کئے ہیں جن سے یہ امر بخوبی روشن ہو گیا ہے کہ وہ روشن دماغ ہی نہیں روشن ضمیر بھی ہیں لہذا ضرب و ہیں لگاتے ہیں جہاں نشیب ہے۔

بہر حال اس رسالہ میں جو حوالجات ہیں وہ سب مستند کتابوں کے ہیں۔ ہر موضوع کے تحت کارآمد گراختصار کے ساتھ تقریباً سبھی سمیٹ لئے ہیں اور کوئی بات غیر ضروری نہیں۔ ایک ایک سطر شہادت دے رہی ہے کہ جو کچھ پیش کیا گیا ہے ایمان دارانہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔“

لہ دہلی آزاد بھون میں واقع لائبریری میں کتاب کا نمبر ہے۔ اکیسویں نمبر ایل ۱۶۵۰، کال نمبر ۲۹۷ - ۱۳۰۹ لے بی ڈی  
لاحظہ کریں صفحہ ۱۱۲ تک

# تاریخ القرآن





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

## تمہید

قرآن کی تدوین اور ترتیب کے متعلق قدامر کی کوئی تصنیف میری نظر سے نہیں گزری۔ البتہ بعد کے حضرات نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ان تحریروں کو میں نے بغور دیکھا لیکن ان سے ان شکوک اور خیالات کا ازالہ نہیں ہوتا جن کے ازالہ کے لئے یہ تکلیف اٹھانی گئی۔ ممکن ہے کہ پہلے حضرات نے یا بعد میں کسی نے کوئی ایسی تحریر لکھی ہو جو تشفی بخش ہو اور جس سے ان تمام شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہو جو بعض احادیث صحیحہ کی بنا پر خود بخود پیدا ہوتے ہیں یا ان کا پیدا ہونا لازمی ہے یا مخالفین ان کو پیش کرتے ہیں مگر چونکہ ایسی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری اس لئے مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کے متعلق واقعات کو ظاہر کروں۔ جو احادیث اور آثار قرآن کی تالیف وغیرہ کے متعلق ہیں ان سے جو خیالات اور شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) قرآن آنحضرت کی زندگی میں یکجا لکھا ہوا نہیں تھا۔ آپ کے بعد خلیفہ اول نے ایک جا کر دیا۔  
(۲) انجیل اور قرآن دونوں اس امر میں یکساں ہیں کہ آنحضرت اور حضرت مسیح کے بعد کے لوگوں نے انھیں مرتب اور جمع کیا۔

(۳) دو چار صحابہ کے سوا کوئی پورے قرآن کا حافظ حضرت کی زندگی میں نہیں تھا۔  
(۴) قرآن کا بہت بڑا حصہ تلف ہو گیا یا کر دیا گیا کیونکہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا اور قرآن موجودہ میں ایک ہی حرف ہے۔

(۵) قرآن کی بعض سورتیں بہت بڑی تھیں لیکن وہ مختصر کر دی گئیں۔

(۶) بعض سورتیں قرآن سے نکال دی گئیں۔

(۷) قرآن جس طریقہ سے جمع کیا گیا اس میں بہت زیادہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قرآن کا کوئی حصہ

لکھنے سے رہ گیا ہو۔ چنانچہ خلیفہ اول کے عہد میں بعض آیتیں لکھنے سے رہ گئی تھیں پھر خلیفہ سوم کے وقت میں لکھی گئیں۔

(۸) قرآن کے آخر کی دو سورتیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے نزدیک قرآن میں داخل نہیں لہذا ان کا قرآن سے ہونا یقینی نہیں۔

(۹) قرآن کی یہ موجودہ ترتیب ایسی نہیں جس پر تمام کا اتفاق ہو کیونکہ حضرت ابی ابن کعب حضرت علی اور حضرت ابن سعد (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کے قرآن کی ترتیب اس کے خلاف تھی۔

ان مشبہات کے اٹھانے کے لئے اس وقت تک جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان تمام میں اس امر کے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتب لکھا گیا تھا اور اس وقت بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جن کو پورا قرآن یاد تھا۔

غالباً ان حضرات کے خیال میں ان مشبہات کے اٹھانے کی صرف ایک ہی صورت تھی اور بغیر اس کے ان مشبہات کا اٹھانا ناممکن نہیں تھا لیکن یہ خیال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر

ہمارے پاس ایسی شہادتیں بھی موجود ہوں جس سے پورے قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھا جانا معلوم ہو یا دو چار کے سوا بہت سے حفاظ قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے وقت میں موجود ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ اور اسی کے ساتھ تمام وہ شہادتیں جن کی وجہ سے یہ مشبہات ہوتے ہیں معتبر گواہوں کی ہوں تو ایسی حالت میں بھی قرآن میں اس قسم کے مشبہات کی گنجائش ناممکن ہے۔

یہاں اس بات کا معلوم کر لینا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن حضرات نے خود جن باتوں کو بلا واسطہ سنا ہے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے ان حضرات کے نزدیک ان

امور کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا یقینی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ حضرات ان باتوں سے اگر کسی ایک امر کا بھی انکار کریں گے تو ان کا یہ انکار ان کو حدود

اسلام سے باہر کر دے گا۔ البتہ جو حضرات اس شرف سے محروم ہیں ان کے لئے ثبوت کی تین صورتیں ہیں :

(۱) تواتر۔ اس قدر گواہوں کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا یا کرنا ثابت ہو جس کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت متیقن اور قطعی ہو جائے۔

(۲) آحاد۔ اس قدر گواہ نہ ہوں بلکہ دو ایک گواہوں سے ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے امور یقینی اور قطعی الثبوت نہیں ہو سکتے بلکہ اس میں شک و شبہ کا موقع ہو سکتا ہے۔

(۳) توارث و تعامل عامہ۔ یعنی وہ فعل و قول اس قسم کا ہو جس پر ہم نے تمام اپنے بڑوں کو

عمل کرتے ہوئے یا کہتے ہوئے بلا کسی اختلاف کے دیکھا یا سنا ہو اور اسی طرح سے ان حضرات نے اپنے پہلوں کو دیکھا ہو یا سنا ہو یہاں تک کہ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو۔ جو امور اس طریقہ سے ثابت ہیں وہ امور بھی اول ہی کی طرح قطعی اور یقینی ہیں۔

اسلام میں اس طریقہ سے بہت سے امور ثابت ہیں۔ مثلاً پانچ وقت کی نماز۔ نمازوں میں رکعت کی تعداد۔ ارکان حج۔ زکوٰۃ کے ارکان و شرائط وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں کا ثبوت گواہانیت سے بھی ہے لیکن ان احادیث پر ان کا ثبوت موقوف نہیں۔ اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تب بھی ان کے ثبوت میں کوئی فرق نہ آتا۔ ہمارے اس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امر پہلے اور دوسرے طریقوں میں سے ایک طریقہ سے بھی ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے۔ تمام مسلمان بلا امتیاز اور استثناء اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہے۔ مسلمانوں میں جس قدر بھی فرق ہے ان میں سے ایک کو بھی اس سے انکار نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا یہ مسلم عقیدہ ہے اسی کے ساتھ حقیقت واقعہ بھی اسی طرح سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک قرآن کا سلسلہ متواتر ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس وقت تک ہر عہد میں قرآن کے آنحضرت سے راوی اور بیان کرنے والے اس قدر رہے ہیں جن کی وجہ سے اس کی صداقت پر ہر انسان مجبور ہو جاتا ہے اور اس امر کے باور کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ یقینی بلا کمی اور بیشی کے یہ وہی کتاب ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الہی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کا یہ تواتر اس کا طرہ امتیاز اور خاصہ اور لازمہ ہو گیا۔ اسی لئے قرآن کی معرفت کی تقریب میں یہی وصف بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عامہ علماء اسلام قرآن کی تعریف اس طرح کرتے ہیں وہ کلام الہی جس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہو۔ اس کے سوا قرآن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توارث اور تعامل عامہ بھی ہے یعنی ہر عہد والوں نے اپنے قبل کے عہد والوں کو اسی قرآن کو پڑھتے ہوئے سنا یہاں تک کہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔ جس حالت میں کہ اس قرآن میں تواتر اور توارث اور تعامل عامہ دونوں ہیں تو پھر اس قرآن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سند اور اس قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت ان دو چیزوں سے زیادہ یقینی اور قطعی ہے جو محض متواتر ہیں یا محض متوارث ہیں۔

اس موقع پر اس امر کا بیان بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ واقعات کی دو قسمیں ہیں عمومی اور خصوصی۔

واقعات عمومی وہ ہیں جن کا ظہور منظر عام پر اس طرح سے نمایاں ہو کہ اس کا علم بلا کسی

رکاوٹ کے ہر شخص کو ممکن ہو۔ جس طرح شاہراہ کے چوراہے پر جبکہ وہاں مجمع کثیر ہو کسی کے قتل کا وقوع یا مسجد جامع میں کسی واعظ کا بیان اس قسم کے واقعات کا ثبوت ایک دو کے بیانات سے نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ ایک جماعت کثیر اس کی شہادت نہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مطلع پاک و صاف ہو تو اس حالت میں ایک دو کی شہادت چاند کے متعلق ناکافی ہوتی ہے۔

واقعات خصوصی وہ ہیں جو منظر عام پر اس طرح نمایاں نہ ہوں۔ اس قسم کے واقعات کے ثبوت میں دو کی شہادت بھی کافی ہے۔

قرآن کی تبلیغ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے کی ہے اور خدا کی طرف سے آپ اسی کے لئے مامور بھی تھے۔ آپ قرآن اہل اسلام اور کفار تمام کے مجمع میں بلا تکلف سناتے اور اس کی تعلیم دیتے اس لئے قرآن واقعات عمومی سے ہے اور اسی وجہ سے اہل اسلام کے یہاں اس کے ثبوت میں جماعت کثیرہ کی شہادت ضروری ہے ایک دو شہادت کا اعتبار نہیں۔ اگر کسی آیت یا سورہ کے قرآن ہونے پر ایک دو شہادتیں ہوں تو ان شہادتوں کی وجہ سے یہ آیت یا سورہ قرآنی نہیں ہوگی۔

## واقعات کی جانچ پڑتال کے تنقیدی اصول

علماء اسلام نے واقعات کی تنقید کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں۔ ان کے یہ بھی اصول ہیں:

(۱) جن واقعات کا ثبوت تو اتر یا توارث عامہ سے ہو ان کے خلاف میں ایک دو شہادتیں ہرگز قابل وثوق نہیں بلکہ اس قسم کی شہادتیں خود اپنی کمزوری کا ثبوت دیتی ہیں۔

(۲) واقعات عامہ کے ثبوت پر ایک دو شہادت ہوں تو وہ بھی کسی طرح وثوق کے لائق نہیں اور اس قسم کی شہادتیں مشتبہ ہیں۔ یہ تنقیدی اصول اس قسم کے نہیں ہیں کہ جو اہل اسلام ہی سے مخصوص ہوں بلکہ ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص بھی ان اصول کے ماننے پر فطرتاً مجبور ہے اور انہیں اصول سے ہمیشہ تنقید واقعات میں کام لیا جاتا ہے۔ اب ہم ان مشبہات و شکوک کی جو قرآن پر بعض احادیث اور تاریخی بیانات کی بنا پر کئے جاتے ہیں ان اصول پر تنقید کرتے ہیں۔

ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا سلسلہ آنحضرت تک متواتر ہے اور نیز توارث عامہ اور تعامل بھی رکھتا ہے۔

جن احادیث کی بنا پر شبہات کئے جاتے ہیں اگر ان تمام حدیثوں کو صحت اور قبولیت میں اعلیٰ درجہ کی مان بھی لیا جائے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ متواتر نہیں ہیں۔ ان تنقیدی اصول سے نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ یہ تمام احادیث چونکہ ایک امر متواتر کے خلاف ہیں اس لئے ہرگز اعتماد اور وثوق کے

لائق نہیں بلکہ ان کا امر متواتر کے مخالف ہونا خود ان کی کمزوری اور ضعف کی شہادت ہے۔ اس کے سوا بھی ان احادیث سے قرآن کی ترتیب اور اس کی کمی بیشی ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن کے لئے ایک دو شہادت کافی نہیں تا وقتیکہ تواتر نہ ہو کیونکہ قرآن واقعات عامہ سے ہے اور غالباً انہیں تنقیدی اصول کی بنا پر متقدمین نے ان احادیث کے جواب دینے کی طرف توجہ نہیں فرمائی جن سے قرآن پر شبہات کئے جاتے ہیں۔ یہ امر نہایت واضح ہے کہ اہل اسلام نے احادیث اور قرآن موجودہ دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا اور ان دونوں کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے لیکن قرآن کے لینے کے ذریعے جس قدر مضبوط اور مستحکم اور یقینی ہیں احادیث کا وہ درجہ نہیں ہے خواہ وہ حدیث کسی درجہ کی ہو بلکہ اگر زیادہ تنقیح سے کام لیا جائے تو مجھے اس امر کے اقرار میں کچھ بھی باک نہیں کہ احادیث متواترہ کا بھی وہ درجہ نہیں جو قرآن کا ہے۔ اب ایسی حالت میں ان احادیث سے جو قرآن موجودہ کی ترتیب (خواہ وہ آیات کی ہو یا سورتوں کی) اور قرآن کی مقدار اور اس کی تالیف کے مخالف ہیں کوئی اثر نہیں ہو سکتا بلکہ قرآن اپنی قوت اور مضبوطی کی وجہ سے خود ان احادیث ہی کو مجروح اور ضعیف کر دے گا جو حضرت احادیث کی وجہ سے قرآن پر شبہات کر کے اس کی توفیق کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں ان کو یقین کر لینا چاہئے کہ قرآن کا اسناد اور سلسلہ ایسا نہیں ہے جس میں اس قسم کی احادیث وغیرہ سے شک شبہ کی گنجائش ہو۔ پس تمام ان احادیث کا جو قرآن کے مقابل ہیں یہی ایک جواب ہے بلکہ یہی واقعہ ہے اور اس کے بعد کسی مسلم کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس قسم کی تمام احادیث پر کوئی تنقیدی نظر ڈالی جائے اور فرداً فرداً ہر ایک حدیث کی صحت و سقم یا ان کے معنی کا اظہار کیا جائے۔ یا یہ ثابت کیا جائے کہ یہی موجودہ قرآن تمام و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں لکھا ہوا موجود تھا اور بہت کثیر تعداد ان صحابہ کی تھی جن کو پورا قرآن یاد تھا۔ مگر بعض مخالفین ان اصول کو نظر انداز کر کے بعض احادیث کی بنا پر قرآن کے متعلق شبہات پیدا کرتے ہیں اس لئے میں نے یہ ایک رسالہ لکھا ہے جس سے دلائل کی روشنی میں ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق تفصیلی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ کہ مخالفین جن حدیثوں کو قرآن شریف کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں کیا وہ قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

اس رسالہ کی سطح قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کے ثبوت میں کسی قدر بلند ہے۔ مجھ سے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں مخالفین کے جو قوی سے قوی شہادت ہیں یا ہو سکتے ہیں، سب بیان کر دئے گئے ہیں اور موقع دلائل میں تا جائز حسن ظن اور عصبیت سے دامن بحث کو یک قلم بچا یا گیا ہے۔ ہر اعتراض کو نہایت بے تعصبی سے صاف لفظوں میں تحریر کر کے اس کا جواب محققانہ

اصول پر اہل نقد اور صاحب بصیرت کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ ہر امر اور ہر خیال کی بنا ایسی قوی دلیلوں پر رہ گئی ہے جو کمزوریوں سے پاک ہے۔ تنقید عبارات اور تنقیح خیالات ایسے اصول کے ماتحت کی گئی ہیں جو علمی دنیا کا مسلمہ ہے۔

قرآن کی تدوین اور ترتیب کی بنا پر آغاز رسالہ ہی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ عرب میں کاغذ کا رواج کب سے ہوا اور عہد نبوی میں اس کا استعمال ہوتا تھا۔ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور حلقہ بگوشانِ بارگاہِ رسالت میں ایسے خدام تھے۔ مسلمانوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تحریر کا کوئی خاص اہتمام کیا تھا یا قرآن کی حفاظت کے لئے کوئی خاص طریقہ آپ نے اختیار فرمایا تھا۔ تاریخی حیثیت اور احادیث صحیحہ سے اس طرح ثابت کر دیا گیا ہے جس کو متعصب سے متعصب شخص بھی اگر انصاف کا دل لے کر تحقیق کی نظر سے دیکھے گا تو اس کا تحقیق طلب دل یقین کی روشنی سے منور ہو جائے گا۔ المختصر نہ تو مخالفین کے وہ خیالات اور شبہات جو ترتیب صدیقیؓ کے متعلق پیش کرتے ہیں، خاں راہ بن کر ہمارے دامنِ بحث کو الجھاسکے۔ نہ وہ توہمات یا وقیع اعتراضات جو ترتیب مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ کے متعلق مخالفین اسلام نہایت اہمیت دے کر پیش کرتے ہیں۔ ناقابلِ عبور دلدل بن کر ہمارے پائے استدلال کے اقدام روک سکے، بلکہ شبہات اور اعتراضات کے جتنے بادل سامنے آتے گئے... دلائل و واقعات اور طیح تحقیقات کے وزنی جھونکوں سے کائی کی طرح پھٹتے گئے اور یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ ہمارے مخالفین نے آج تک جو کچھ قرآن شریف کے مقابلے میں پیش کیا ہے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ دلائل اور تحقیقات کی روشنی میں صحیح ثابت ہو سکیں۔ پس آخر میں ہم اپنے ان اجاب کے ہاتھوں میں جواہلِ نقد اور صاحبِ بصیرت ہیں یہ کہتے ہوئے اس رسالہ کو دینے ہیں کہ

تو نیز بر سرِ باہم آ کہ خوش تماشائے است

Marfat.com

Marfat.com

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں میں اپنے مذہب کی محبت اور جوش اور ان کے دل، دماغ، خیال، رگ پٹھوں میں ان کے جدید مذہب کا جوا اثر ہوگا وہ ان کے بعد والوں میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہارے دل میں اس ہمارے بیان کے باور کرنے میں تاریکی کا کوئی پردہ مانع ہو تو اس کے روشن کرنے کے لئے ہر جدید فرقہ کے اول لوگوں کی حالت کو دیکھو اور تائب بخوں میں اس کا مطالعہ کرو۔ اس کے سوا بھی پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کی حالت بھی ہمارے اس بیان کے لئے مضبوط گواہ ہے۔ اب اس وقت کا مذہبی اثر جوش، ذوق، شوق اور دلولہ اور ابتذرائے اسلام کے اثر کو تو لو اور اس کے بعد انصاف سے اپنے دل میں سوچو کہ قرآن کے حفاظ کی جو تعداد اس وقت کے مسلمانوں میں ہے اس وقت مسلمانوں میں ان کی تعداد کی رُو سے یہ حفاظ زیادہ ہوں گے یا کم۔ اسی کے ساتھ یہ بھی خیال کرو کہ قرآن تیس سال میں پورا ہوا۔ اس وقت کے یاد کرنے والوں کو تیس سال کی مدت تھی اور ان کا حافظہ بھی اور ملکوں کے لوگوں سے فطرتاً قوی تھا۔ جس کی وجہ سے اتنی طویل مدت میں انہیں اس کا یاد کرنا اور لکھنا نہایت آسان تھا۔ بلا قصد بھی اس قدر مدت میں اس سر زمین کے لوگوں کو اس کا یاد ہونا ممکن تھا۔ چنانچہ ولیم میورسیرت محمدی میں لکھتے ہیں۔ قوت حافظہ ان کی انتہائی درجہ پر تھی اور اس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت کمال سرگرمی سے کام میں لاتے تھے۔ ان کا حافظہ ایسا مضبوط تھا اور ان کی محنت ایسی قوی تھی کہ جب روایات قدیم اکثر اصحاب پیغمبر کی حیات میں بڑی صحت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے (الفرقات صفحہ ۳۹)

ان واقعات سے اگرچہ یہ بات یقیناً ثابت ہے کہ کتابوں کی حفاظت کے جو ذرائع اور اسباب ہیں یعنی سیدہ اور سفینہ، ان دونوں طریقوں سے پہلوں نے بھی قرآن کی حفاظت کی جب کہ اس وقت بھی ان دونوں طریقوں سے حفاظت ہے۔ لیکن بعض روایتوں سے چونکہ ان لوگوں کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن پورا مرتب رسول خدا کے مقدس زمانہ میں لکھا ہوا تھا اور صحابہ میں دو چار کے سوا کوئی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا۔ اس لئے میں پہلے یہاں ثابت کروں گا کہ (۱) آپ کے عہد میں پورا قرآن لکھا گیا اور متعدد نسخے لکھے ہوئے تھے۔ (۲) جو ترتیب قرآن کی اس وقت ہے یہ وہی ہے جو رسول خدا نے قائم فرمائی۔ (۳) صحابہ کرام میں حفاظ قرآن بہت تھے۔ (۴) اس کے بعد وہ روایات لکھوں گا جن میں قرآن کے جمع کا ذکر ہے۔ (۵) اور جن روایات میں لوگوں کو شبہ ہوا ہے ان روایات کی درایت اور روایت اور عادت اور واقعات کی رُو سے بھی ایسی تنقیح اور تحقیق کی جائے گی جس سے ان شبہات کا ازالہ ہو جائے اور اصل امر روشنی میں آجائے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مقدس مسلمانوں کا دستور العمل ہے جس کی



طرف ایک فقیر اور ادنیٰ مسلمان کو بھی اسی قدر احتیاج ہے جس قدر کہ امیر اور اعلیٰ کو ہے۔ تمام مسلمان اپنی عبادتوں اور معاملوں اور باہمی میل جول اور اخلاق و سلوک میں یکساں محتاج ہیں اور مسلمان اپنے مذہب کے قائم رکھنے اور مذہبی زندگی کے بسر کرنے میں قرآن ہی کے محتاج ہیں اور قرآن ہی اُن کے مذہب کی رُوح ہے اور یہی اسلام کی صداقت کی اعلیٰ اور کامل دلیل ہے۔ اسی لئے رسول خدا نے صرف قرآن ہی سے اشاعتِ اسلام فرمائی۔ یہ وہ بات ہے جس کا ہر مسلمان کو اقرار ہے اور اُن کا مذہب اور مسلمانوں کا طرزِ عمل اس پر گواہ ہے۔ اب اس احتیاج اور ضرورت کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ لازمی تھا کہ وہ قرآن کی پوری حفاظت کریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ نہایت اہتمام سے اور کمالِ صحت سے لکھا کر محفوظ رکھی جائے۔ یہ ذریعہ ایسا نہیں جس کو ہر ایک نہ سمجھتا ہو۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن کی حفاظت کی مسلمانوں کو بے انتہا حاجت تھی اور کامل و توثق حفاظت میں لکھوانے اور یاد کرنے کے سوا نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ متعدد نقلیں متعدد مقامات پر رہیں جن میں تغیر و تبدل اور ضائع ہونے کا وہم بھی نہ رہے۔ کیا ان واقعات سے یہ فیصلہ سہل اور یقینی نہیں کہ حضور اقدس اور صحابہ نے حفاظتِ قرآن کے لئے اس کو نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ لکھوایا ہو۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کتب سابقہ کی تحریف و تغیر کا نمونہ بھی اُن کے سامنے موجود تھا۔ اس لئے بھی قرآن کے لکھوانے کی اُن کو اور زیادہ ضرورت محسوس ہوئی۔ اور کوئی امر بھی ایسا نہ تھا جس کی وجہ سے لکھوایا نہ جاتا یا لکھوانا دشوار ہوتا۔ کیونکہ آپ کے عہد میں بہت لوگ صحابہ میں ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں سے اکتالیس کے نام جو تاریخ سے ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ہم یہاں لکھتے ہیں:

- (۱) حنظلہ بن ربیع (۲) عمرو بن رافع (۳) رافع بن مالک (۴) سعد بن عبادہ (۵)
- اسید بن حضیر (۶) منذر بن عمرو (۷) اوس بن حوئی (۸) عبداللہ بن زید (۹) شہر بن سعد (۱۰)
- عبداللہ بن رواحہ (۱۱) سعد بن الربیع (۱۲) ابو عبس بن جبر (۱۳) عبدالرحمن (۱۴) ابویونس مولیٰ
- عائشہ رضی (۱۵) عبدالرحمن بن حمر بن عمرو بن زید (۱۶) عبداللہ بن سعید بن العاص (۱۷) نافع بن طریب
- بن عمرو بن نوفل (۱۸) ناجیۃ الطفاوی (۱۹) ابی بن کعب (۲۰) زید بن ثابت (۲۱) عبداللہ بن سعد
- بن ابی سرح (۲۲) ابو بکر (۲۳) عمر (۲۴) عثمان (۲۵) علی رضی (۲۶) زبیر بن العوام (۲۷) خالد بن
- سعید بن العاص (۲۸) ابان (۲۹) سعد بن العاص (۳۰) حنظلہ الاسدی (۳۱) علاز بن الحضرمی
- (۳۲) خالد بن ولید (۳۳) محمد بن سلمہ (۳۴) عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول (۳۵) مغیرہ بن شعبہ
- (۳۶) عمرو بن العاص (۳۷) معاویہ بن ابی سفیان (۳۸) جہیم بن الصلت (۳۹) معیقب بن قاطر

(۴۰) عبداللہ بن ارقم زہری (۲۱) شرجیل بن حسنہ۔

ان میں انصار اور ہاجرین دونوں ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو اسلام کے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مورخین اس میں مختلف ہیں کہ عرب میں کتابت اور خطاطی کافن کس سے شروع ہوا۔ بعض کی رائے میں حضرت ایوب علیہ السلام کے وقت میں عرب میں یہ فن تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کے عہد سے شروع ہوا۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ اسلام کے کچھ قبل سے عرب میں اس کا رواج ہو گیا تھا اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اس کو بہت ترقی دی۔ بدر کی جنگ میں جو ستر آدمی کفار مکہ سے مسلمانوں نے گرفتار کئے تھے ان میں جس کے پاس اس قدر مال نہ تھا کہ اپنی رہائی کے لئے فدیہ ادا کرتا اُس کی رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا گیا کہ اُن میں سے ہر ایک اہل مدینہ کے لڑکوں میں سے دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھلائیں۔۔۔ چنانچہ زید بن ثابت نے بھی اسی طور سے لکھنا سکھایا۔

اَسْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَبْعِينَ اَسِيْرًا وَكَانَ يُفَادِيْ بِهَمُّ عَلَى قَدْرِ اَمْوَالِهِمْ وَكَانَ اَهْلُ مَكَّةَ يَكْتُبُوْنَ وَاَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَا يَكْتُبُوْنَ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِدَاءٌ دَفَعَ اِلَيْهِ عَشْرَةُ غُلَامِيْنَ مِنْ غُلَامِيْنَ الْمَدِيْنَةِ فَعَلِمَهُمْ قَاذِحًا فَوَاقَهُمْ فِدَاؤُهُ فَكَانَ زَيْدُ بِنِ ثَابِتٍ مِّنْهُمْ عَلِمَ حَتّٰى اِنْ كَانَ الرَّجُلُ يُمَيِّنُ الْخَطَّ فَنُوْدِيْ عَلٰى اَنْ يُعَلِّمَ ترجمہ:- غزوہ بدر میں ستر آدمی کفار کے گرفتار ہوئے جن سے بقدر حیثیت خرچہ جنگ لے کر رہا کیا گیا۔ مکہ والے چونکہ لکھنا جانتے تھے اور اہل مدینہ اس سے ناواقف تھے اس لئے ان گرفتاروں میں سے جس کے پاس مال نہ تھا اس کی رہائی کے لئے یہ مقرر کیا گیا کہ وہ مدینہ کے دس لڑکوں کو تعلیم دے۔ پس ایسے لوگوں نے تعلیم دینا شروع کیا اور جب لڑکے خوب واقف ہو گئے تب وہ چھوڑ دیئے گئے۔۔۔ چنانچہ انھیں لڑکوں میں زید بھی تھے۔ الغرض قیدیوں میں اگر خوش نویس تھا اُن سے مشق خط کرائی گئی۔

(طبقات ابن سعد، ج ۲ ص ۱۷۱)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ والے لکھنا جانتے تھے اور اُن میں اس کا رواج تھا۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرف خاص توجہ تھی کہ مسلمان اس میں ماہر ہوں۔ چنانچہ آپ نے مدینہ میں عبداللہ بن سعید بن العاص کو جو خوشنویس تھے اس کام پر مقرر کیا کہ وہ لڑکوں کو لکھنے کی تعلیم دیا کریں۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد مبارک میں لکھنے والے تھے۔ البتہ یہ امر بحث طلب ہے کہ اُس وقت لکھنے کے لئے بھی وہاں کوئی شے تھی یا نہیں کیونکہ کاغذ کا اُس وقت ہاں رواج نہ تھا بلکہ اس کا رواج فضل بن یحییٰ برمکی نے عرب میں دیا۔ جیسا کہ مقدمہ ابن خلدون کے

۳۵۲ میں ہے۔ فَأَشَارَ الْفَضْلُ بْنُ يَحْيَىٰ بِصِنَاعَةِ الْكَاغِذِ وَصِنَاعَهُ أَوْ بَعْضَ كِي رَأَىٰ هُوَ  
کہ حجاج بن یوسف نے اسے رواج دیا۔

## فہرست ابن ندیم میں ہے

فَأَمَّا الْوَرَقُ الْخُرَّاسَانِيُّ فَيُعْمَلُ مِنَ الْكَتَّانِ يُقَالُ إِنَّهُ حَدَّثَ فِي أَيَّامِ بَنِي أُمَيَّةٍ  
وَقِيلَ فِي الدَّوْلَةِ الْعَبَّاسِيَّةِ وَقِيلَ إِنَّهُ قَدِيمُ الْعَمَلِ وَقِيلَ إِنَّهُ حَدِيثٌ وَقِيلَ إِنَّ صِنَاعًا  
مِنَ الصِّينِ عَمَلُوهُ بِخُرَّاسَانَ عَلَى الْمَثَالِ الْوَرَقِ الصِّينِيِّ۔

ترجمہ :- خراسانی کاغذ کتاں یعنی رُوئی سے بنایا جاتا تھا جو بنو امیہ یا عباسیہ کے عہد میں  
بنایا گیا۔ بعض کہتے ہیں قدیم سے چلا آتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا رواج قدیم سے نہ تھا یا  
ایک چینی شخص نے اول خراسان میں چینی کاغذ کی طرح بنایا تھا۔

لیکن فضل یا حجاج کے قبل اگر کاغذ کا رواج نہیں تھا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی شے بجائے  
کاغذ کے ایسی جس پر لکھا جاسکے اُن میں نہ تھی۔ یہ خیال ایسا غلط ہے کہ اس کی غلطی کے لئے کسی  
خارجی گواہی کی ضرورت نہیں۔ جو شخص عرب کی حالت سے واقف ہے وہ اپنے خیال و ذہن  
میں خطرے کے طور سے بھی اس کو جگہ نہیں دے سکتا کہ عرب میں لکھنے کی کوئی شے نہیں تھی۔  
کیا عرب کے لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ باہم معاہدے، خطوط، کتابیں نہیں لکھتے تھے۔۔۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر خطوط لکھ کر روانہ فرمائے۔ صاحب مفتاح الافکار نے  
آپ کے خطوط سے چھتیس خطوط نقل کئے ہیں۔ حدیث میں صلح نامہ لکھا گیا۔ اہل مکہ نے ایک  
معاہدہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکا یا۔ سبوعہ معلقہ لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکا یا گیا۔ توریت انجیل  
لکھی ہوئی اُن میں موجود تھی۔ اب اگر کوئی شے بجائے کاغذ ان میں نہ تھی تو یہ لکھنا پڑھنا کس  
طرح تھا۔ اصل یہ ہے کہ اُس وقت میں کاغذ کی جگہ دو چیزیں مستعمل تھیں۔ عام طور سے تو جلد  
استعمال کرتے تھے جو کاغذ کی طرح بنائے جاتے تھے اور اس کو ورق کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں بھی  
یہ لفظ ہے۔ اس کے بعد مخصوص مقامات میں حریر پر لکھتے تھے جسے مہرق کہتے ہیں۔

لسان العرب میں ہے۔ الْمُهْرَقُ الصَّحِيفَةُ الْبَيْضَاءُ يُكْتَبُ فِيهَا وَقِيلَ ثَوْبٌ حَرِيرٍ  
أَبْيَضٌ يُسْقَى الصَّمْغَ وَيُصْقَلُ ثُمَّ يُكْتَبُ فِيهِ التَّرْقِيُّ بِالْفَتْحِ مَا يُكْتَبُ فِيهِ وَهُوَ جِلْدٌ  
رَقِيقٌ وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ فِي رَقٍّ مَنشُورٍ۔ مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔ وَكَانَتْ  
السِّجِلَاتُ أَوْلًا لِانْتِسَاجِ الْعُلُومِ وَكُتِبَ الرَّسَائِلُ السُّلْطَانِيَّةُ وَالْإِقْطَاعَاتُ وَالصُّكُوكُ

فِي الرَّقُوقِ الْمُهَيَّأَةِ بِالصَّنَاعَةِ مِنْ الْجِلْدِ لِكَثْرَةِ الرَّقَّةِ وَقِلَّةِ التَّالِيفِ صَدْرَ الْمَسَلَّةِ  
فَاقْتَصَرُوا عَلَى الْكِتَابِ فِي الرَّقِّ تَشْرِيفًا لِلْمَكْتُوباتِ وَمِيلًا بِهَا إِلَى الصِّحَّةِ وَالِاتِّقَانِ  
انتهی ملاحظاً ص ۳۵۲ یعنی پہلے زمانہ میں خطوط، فیصلے، فرمان اور علوم وغیرہ باریک جلد پر لکھتے تھے۔  
اور یہ جلد خاص اسی کام کے لئے تیار رہتی تھیں۔ کیونکہ اُس وقت تصنیف وغیرہ زیادہ نہ تھی اس لئے  
اُن میں اس کا زیادہ اہتمام اور اس کی وقت تھی جس کی وجہ سے وہ اس کی صحت اور استحفاظ کا  
بہت خیال رکھتے تھے۔

صناعت الطرب میں فاضل نوفل مسیحی لکھتے ہیں۔ وَقَالَ الزَّوْزَنِيُّ إِنَّمَا كَانُوا يَأْخُذُونَ  
بِخِرْقَةٍ وَيَطْلُونَهَا بِشَيْءٍ ثُمَّ يَصْقَلُونَهَا وَيَكْتُبُونَ عَلَيْهَا وَيُسَمُّونَهَا الْمَهْرَقَ يَعْنِي زَوْزَنِي  
نے کہا ہے کہ اہل عرب پہلے ایسے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا کرتے تھے جسے وہ روغن دے کر صاف کرتے  
تھے اور اس کو مہرق کہتے تھے۔ پھر فاضل موصوف اسی مقام پر لکھتے ہیں۔ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ أَدَوَاتٌ  
تَصْلِحُ لِلْكِتَابَةِ يَعْنِي عَرَبُونَ فِي أَيْسَى شَيْءٍ نَهَى جَنِّهِمْ عَلَى مَا جَاءَ فِيهِمْ مِنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ  
مِنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ كَيْفَ جَمَعَ الْقُرْآنَ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ  
مُكْرَمُونَ أَوْ كَبُورٌ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ كَيْفَ كَتَبَهُ  
لیکن فاضل موصوف سے ہمیں تعجب ہے کہ یہاں ان روشن اور صحیح واقعات کو چھوڑ کر ایک  
ایسے واقعہ سے کیوں استدلال کیا جو خلاف تحقیق ہے اور مسلمان بھی اسے غلط سمجھتے ہیں۔ کیا  
فاضل موصوف کو معلوم نہیں کہ پیغمبر اسلام کے عہد میں لکھنے کا بہت کچھ رواج ہو گیا تھا اور  
اس صنعت کو اس حقیقی مصلح نے بہت ترقی دی تھی اور باہم مراسلات اور معاہدات وغیرہ  
کا کتابت کے ذریعہ سے رواج تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادوات کتابت اُس وقت بھی  
معدوم نہ تھے۔ بلکہ اُس وقت کی ضرورت کے موافق اُس کا سامان اُن میں تھا۔ فاضل موصوف  
پھر لکھتے ہیں۔ وَلَمْ تَعْرِفِ الْعَرَبُ قَرِاطِيسَ الْكِتَابَةِ إِلَّا مِنْذُ اسْتَعْمَلَهُ الْحِجَّاجُ فَهُوَ  
أَوَّلُ مَنْ كَتَبَ فِيهَا يَعْنِي عَرَبٌ فِي حِجَاجٍ نَعْنِي عَرَبٌ فِي حِجَاجٍ نَعْنِي عَرَبٌ فِي حِجَاجٍ  
عرب قرطاس کو جانتے بھی نہ تھے؟ فاضل موصوف کے اس بیان سے ہمارے تعجب کی کوئی  
انتہا نہیں رہتی اور ہمیں حیرت ہے کہ ایسے محقق فاضل کے قلم نے کیونکر اس کے لکھنے کی  
جرات کی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس قرطاس کے معنی فاضل عیسوی کیا لیتے ہیں جس کی ابتدا حجاج  
کے وقت سے ہوئی۔ اہل عرب کے نزدیک تو جس پر لکھا جائے اور وہ اس قابل ہو اُسے  
قرطاس کہتے ہیں خواہ وہ کپڑا ہو یا چمڑہ یا کاغذ۔ غرض یہ ہے کہ وہ شے جس پر لکھا جاسکے۔  
اقرب الموارد میں ہے۔ الْقَرَطَاسُ الصَّعِيفَةُ الَّتِي يُكْتَبُ فِيهَا۔

لسان المیزان میں ہے۔ الْقِرْطَاسُ الصَّحِيفَةُ الثَّابِتَةُ الَّتِي يُكْتَبُ فِيهَا۔ اس کے سوا قرطاس کا لفظ جبکہ خود قرآن میں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قرطاس کا استعمال تھا۔ قرآن میں ہے۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا بَاقِيًا قِرْطَاسٍ۔ دوسری جگہ ہے۔ يجعلونہ قراطیس۔ اگرچہ قرطاس کا ابتدائے اسلام میں نہ ہونا ہمارے اس بیان کی کہ ادوات کتابت اُس عہد میں تھے کچھ مخالف نہیں۔ کیونکہ واقعات سے یہ امر معلوم ہو گیا کہ اُس وقت میں ادوات کتابت تھے اور ان کا استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر چونکہ اس سے فاضل موصوف کی اندرونی جذبات پر جن کو وہ تاریخی لباس میں ظاہر کرتا ہے کافی روشنی پڑتی ہے اور آئندہ اس سے مدد ملے گی۔ اس لئے اس کا بیان نامناسب نہیں ہے۔ اب ہمارے اس بیان سے یہ تین باتیں بخوبی واضح ہو گئیں۔

(۱) رسالت مآب کے مبارک عہد میں بہت مسلمان لکھنا جانتے تھے۔

(۲) ایسی چیزیں بھی اس وقت ملتی تھیں جن پر وہ لکھتے تھے۔

(۳) قرآن پاک کے لکھنے کی مسلمانوں کو بے انتہا ضرورت تھی اور اُس کی کمال استحفاظ کی یہی صورت تھی کہ وہ لکھوایا جائے۔

ان تینوں واقعات سے ہر انصاف پسند اور ذمی شعور کو یہ فیصلہ نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے کہ اُس وقت کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے تھا اور ان کو اپنے اس فرض منصبی اور عہدہ مذہبی کی سبکدوشی سے کونسا امر مانع تھا جو ان کو اُس کے ادا کرنے سے روکتا اور کیا اس عہد کے مسلمانوں نے اپنے فرائض منصبی کے مقابلہ میں جان، مال، عزت، راحت، عزیز و قریب کی قربانیاں نہیں کیں اور کیا سخت سے سخت اور خطرناک اور مہلک مقامات کا بھی اُنھوں نے نہایت ہمت و استقلال اور صبر و وقار سے مقابلہ نہیں کیا۔ ان واقعات پر اگر ان ترغیبات کا اضافہ کیا جائے جو سرورِ کائنات نے مسلمانوں کو قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے کے بارے میں کی ہیں اور جن میں سے ہر ایک ترغیب بجائے خود ہر ایک مسلمان کو اس پر مستعد کر دیتی ہے کہ وہ تمام قرآن پڑھے اور پڑھائے اور لکھے اب ان ترغیبات کے اضافہ کے بعد اور اُس ذوق اور جوش اور شوق کو دیکھتے ہوئے جو مسلمانوں میں اُس مقدس بانی نے بھر دیا تھا یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اُس وقت مسلمانوں نے تمام قرآن نہ یاد کیا ہو اور نہ کسی نے پورا قرآن لکھا ہو۔ اب میں ان ترغیبات کو لکھتا ہوں۔

## آنحضرت کی ترغیبات قرآن کے بارے میں

(۱) إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ - (بخاری عن عثمان رضی اللہ عنہ)

بخاری میں عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مسلمانوں میں اُس کو تمام پر فضیلت ہے جو

قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

(۲) مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَأَلَّا تُرْجَبُ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا - وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ

الْقُرْآنَ كَالثَّمَرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحُ لَهَا - (بخاری عن ابی موسیٰ)

بخاری میں ابو موسیٰ سے روایت ہے۔ قرآن پڑھنے والا اُس پھل کی طرح ہے جس کا مزہ بھی

اچھا ہے اور خوشبو بھی۔ اور جو قرآن نہیں پڑھتا وہ کھجور کے مثل ہے مزہ عمدہ ہے مگر خوشبو نہیں۔

(۳) يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ إِقْرَأْ وَاسْرُقِ وَسَرِقٌ لَمَّا كُنْتَ تَسْرِقُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ

مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا - (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

مشکوٰۃ میں عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے۔ قیامت میں قرآن کے پڑھنے والے کو حکم دیا

جائے گا کہ پڑھ اور بلند درجوں کی طرف چڑھ لیکن قرآن کو تریل سے اُسی طرح پڑھتا ہوا جیسے

دنیا میں پڑھتا تھا اور جہاں تیری قرأت پوری ہو وہی تیرا مکان ہے۔

(۴) يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ

مَا أَعْطَى السَّائِلِينَ وَفَضَّلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ دَفَضَلِ اللَّهُ عَلَى خَلْقِهِ -

(ترمذی، دارمی، بیہقی)

(مشکوٰۃ میں ابوسعید سے روایت ہے) خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو قرآن میں اس قدر مشغول ہو جائے

کہ مجھ سے دعا تک نہ کر سکے اور نہ میری یاد تو میں اُسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ خدا کے کلام کو...

دوسرے کلاموں پر اُسی قدر فضیلت ہے جو خدا کو دوسروں پر۔

(۵) لَوْ جَعَلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ تُبْحَأُ لَيَقَىٰ فِي النَّارِ مَا أَحْتَرَقَ - (دارمی)

(مشکوٰۃ میں عقبہ سے روایت ہے کہ) قرآن اگر کسی جلد میں رکھا جائے اور وہ آگ میں ڈالی جائے

تو جلے گی نہیں یعنی قرآن جس کو یاد ہو اس پر قیامت میں آگ اثر نہ کرے گی۔

(۶) تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ هُوَ أَشَدُّ تَفْقِيًّا مِنَ الْإِبِلِ فِي عَقْلِهَا -

(مسلم۔ بخاری)

(مشکوٰۃ میں ابو موسیٰ سے روایت ہے) قرآن کی مزاولت کرو کیونکہ قرآن سینوں سے جانے میں اُس

اونٹ سے تیز ہے جو اپنی بندش سے چھوٹ جائے۔

(۷) وَاسْتَدْرِكُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفْقِيًّا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ التَّعَمُّرِ - (مسلم بخاری)

(مشکوٰۃ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ) قرآن کو دور کرتے رہو وہ سینہ سے نکلنے میں اونٹ تیز ہے۔  
(۸) عن عائشة مثل الذي يقرأ القرآن وهو حافظ له مع السفرة الكرام ومثل الذي يقرأ وهو يتعاهد وهو عليه شديد فله اجران۔ (بخاری تفسیر)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں حافظ قرآن جو قرآن پڑھتا رہے وہ معزز فرشتوں کی مثل ہے اور جو قرآن پڑھے اور مداومت کرے اور اس کو اس میں رشواری ہو تو اس کو دو چند ثواب ملے گا۔

(۹) إنما مثل صاحب القرآن كمثل صاحب الإبل المعقلة إن عاهد عليها أمسكها وإن أطلقها ذهبت۔ (مسلم۔ بخاری)

قرآن والے کی حالت اونٹ کے مالک کی ہے کہ وہ اگر اونٹ کی نگرانی کرے تو رہے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو چلا جائے گا۔

(۱۰) عن أبي سعيد قال جلست في عصابة من ضعفاء المهاجرين وإن بعضهم...  
ليستزبعض من العري وقارى يقرأ علينا إذ جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام علينا فلما قام صلى الله عليه وسلم سكت القارى فسلم ثم قال ما كنتم تصنعون فلنا كنا نسمع إلى كتاب الله فقال الحمد لله الذى جعل من امتى من امرت ان اصبر نفسى معهم فجلس وسطنا۔ (ابوداؤد)

ابوسعید کہتے ہیں ایک روز میں مہاجرین میں جو فقیر تھے، بیٹھا تھا۔ اور بعض جن کے بدن پر کپڑا تک نہ تھا، بعض کے آڑ میں بیٹھے تھے اور ایک قاری ہم پر قرآن پڑھ رہا تھا۔ اسی حالت میں رسول خدا تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے۔ قاری آپ کو دیکھ کر چپ ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا۔ اور فرمایا کیا کرتے تھے۔ عرض کیا کہ قرآن سنتے تھے۔ فرمایا الحمد للہ کہ اُس نے میری امت میں ایسے لوگ کئے جن میں مجھے بیٹھنے کا حکم کیا گیا اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔

(۱۱) يجئى صاحب القرآن يوم القيامة فيقول يا رب حللته فيلس تاج الكرامة ثم يقول يا رب زده فيلس حلة الكرامة ثم يقول يا رب ارض عنه فيرضى عنه فيقال اقرأ وارقا ويزاد بكل آية حسنة۔ (ترمذی)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت میں اہل قرآن جب لائے جائیں گے تو قرآن ان کی سفارش کرے گا اور کہے گا کہ اے خدا ان کو خلعت عطا فرما۔ اس پر دستارِ فضیلت ان کے سروں پر باندھی جائیگی پھر قرآن سفارش کرے گا تو اُس پر خلعت ملے گا۔ پھر سفارش کرے گا کہ خدا تو ان سے راضی اور خوش ہو۔ اس پر وہ اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرے گا اور حکم دے گا کہ قرآن پڑھتا ہوا ترقی کرتا جا اور ہر ایک آیت کے عوض ثواب حاصل کرے۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
اقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ قَلْبًا وَعَيَّى الْقُرْآنَ وَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَا دَبَّ اللَّهُ فَمَنْ  
دَخَلَ فِيهِ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَلْيَبْشِرْ - (دارمی)

ابن مسعود فرماتے ہیں آنحضرت نے فرمایا قرآن پڑھو کیونکہ خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے  
قرآن یاد ہو۔ اور یہ قرآن خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی جگہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ بے خوف و خطر ہے  
اور جسے قرآن سے محبت ہے اُس کو بشارت ہے۔

صاحب شریعت اسلامیہ کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے بعد قرآن ہی کا مرتبہ  
ہے۔ اور خدا کی تمام مخلوق میں کوئی شے اُس کے مثل نہیں ہے۔ اس لئے اہل قرآن کو تمام مسلمانوں  
پر فضیلت ہے اور وہ سب سے افضل ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی مجلس میں  
بیٹھنے کا حکم ہے۔ اور اس کا ظاہر و باطن نورانی ہو کر لوگوں کے لئے مشعل راہ بن جاتا ہے جس سے  
حلق مستفید ہوتی ہے۔ اس کو اپنے مقاصد کے لئے دعا کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اُس کو وہ  
بلا طلب دیا جاتا ہے جو دوسروں کو مانگنے سے۔ اُس کی ثورانیت اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ  
آگ دوزخ بھی اُس پر اثر نہیں کرتی۔ قرآن پاک اس کی ترقی درجات کا خود معیار ہوگا۔ اُس  
کی درجات کا علو اور کمال اُس کی قرأت کے قدر ہوگا یعنی اُس کو جنت کے درجوں پر چڑھنے کا  
حکم دیا جائے گا۔ منتہی اُس کی ترقی کا وہاں جہاں اس کی قرأت ختم ہو۔ قرآن کی تلاوت سے  
اسے خلعت عنایت ہوگا۔ یہ ہیں قرآن پاک کے اخروی نتائج اور برکات۔ کیا جو قوم اپنے مقدس  
اور پاک مذہب کی ایسی فریفتہ اور از خود رفتہ ہو کہ اُس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر بڑی سے بڑی  
شے کمتر اور بے وقعت ہو اور اُن کا دلی جوش جنون کی حد تک پہنچا ہو اس وقت کے مسلمان  
اپنے اوپر قیاس نہ کریں بلکہ اُن کی اُس حالت پر غور کریں کہ انھوں نے اپنا مال جان اولاد  
آپ کے ارشاد پر قربان کیا تو کیا ایسی قوم کے لئے ان پاک الفاظ اور وعدوں نے ہر ایک کو  
قرآن کی یاد اور اُس کی تلاوت کے لئے بے اختیار نہ کیا ہوگا جو بہ نسبت جان و مال دینے کے  
بہت آسان تھا اور کیا اس کے بعد بھی یہ قابلِ شرم اور نفرت خیال قابلِ سماعت ہوگا کہ اُس  
وقت مسلمانوں میں کوئی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا۔ اور تمام قرآن تلاوت کے لئے اُن میں لکھا ہوا  
نہ تھا۔ شرم، شرم! اس کے سوا بھی پیغمبر اسلام نے خود قرآن کی حفاظت اور اس کی تلاوت پر  
مداومت کی کس قدر تاکید کی۔ جیسا حدیث نمبر ۷۶، ۸۷ سے ثابت ہے۔

۵۴ دوسری حدیث

۵۳ دسویں حدیث

۵۲ پہلی حدیث

۵۱ چوتھی حدیث

۵۵ گیارھویں حدیث

۵۶ تیسری حدیث

۵۷ پانچویں حدیث

۵۸ چوتھی حدیث



قبل اسلام عرب میں اگرچہ کسی قسم کی تعلیم تعلم کا عام رواج نہ تھا مگر پیغمبر اسلام نے ان میں تعلیم کو رواج دیا اور چونکہ قرآن کے سوا اس وقت مسلمانوں میں کوئی علم و فن نہ تھا اور اس طرف مسلمان ہونے کے لئے قرآن جاننا بھی ضروری تھا اس لئے مسلمانوں میں پہلے قرآن ہی کی تعلیم کا رواج ہوا۔ پیغمبر اسلام خود گو اُمّی محض تھے اور لکھنا پڑھنا خود نہ جانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن نے خود ایسی حالت میں قرآن کے مخالفین ہر طرح کی نکتہ چینی میں اور ان کی ہر بات پر گہری نظر ڈالتے تھے اور تمام اقوال افعال کو عیب چینی کے خیال سے تلاش کرتے تھے یہ دعویٰ کیا کہ یہ رسول اُمّی ہے۔ لیکن قرآن کے اس دعوے میں کہ وہ اُمّی ہیں کسی نے شک نہیں کیا اور نہ اس کو رد کیا بلکہ وہ دعویٰ جو عام طور سے اعلان کے ساتھ موافق و مخالف کے آگے کیا جائے اور ہر ایک شخص اُسے مان لے، یہ اس کی صداقت کے لئے مضبوط ضمانت ہے اور جن کو اس دعوے میں کلام اور رد کا حق تھا جب انہیں نے اسے تسلیم کیا تو اب ان کے بعد والوں کو انہیں کی اقتدا کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کے سوا دوسرا راستہ نکالنا اور لوگوں کو اُس کی طرف بلانا اپنی تار پکی یاد لی سوزش کا ثبوت پیش کرنا ہے گو کچھ ناواقف یا دل کے بیمار اس پر چلیں یا ایسی کوشش کریں مگر انصاف اور علم کے مقابلے میں بلاتشک اُس کو ہزیمت اور فاش شکست ہوگی۔ لیکن اس پر بھی پیغمبر اسلام نے اس قوم کی تعلیم کا خیال کیا اور اس کی اشاعت کی ابتدا اُسی کامل ہمدرد بنی نوع انسان کے ہاتھوں سے ہوئی جن کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ اول آپ نے خود قرآن کی تعلیم دینی شروع کی جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے۔ **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**۔ ابوالدرداء صحابی کا بیان ہے کہ میں نے قرآن رسول خدا سے یاد کیا۔

عن جابر بن عبد الله قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن۔ (بخاری)

ترجمہ:- بخاری میں جابر سے روایت ہے کہ رسول خدا نے ہمیں تمام باتوں میں استخارہ کے دعا کی تعلیم کی جس طرح قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ قرآن کی تعلیم کرتے تھے۔  
عن عمر بن الخطاب قال سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان على غير ما أقرءها وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم أقرءنيها وكذت أن أعجل عليه ثم أمرتني حتى أنصرفت ثم ليبتئ به بردائه فجيئت به رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت إني سمعت هذا يقرأ على غير ما أقرءتنيها۔ (بخاری)

ترجمہ:- بخاری میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہشام کو سورۃ فرقان پڑھتے ہوئے سنا لیکن وہ جس

طور سے پڑھتے تھے وہ عمر کے طرز کے خلاف تھا۔ لیکن عمرؓ کو چونکہ رسول خدا نے اسی طرز سے پڑھایا تھا اور شام اس کے خلاف پڑھتے تھے اس لئے عمرؓ نے چاہا کہ ان کو اسی وقت روک دیں مگر وہ اس قدر ٹھہرے کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد عمرؓ نے ان کی گردن میں چادر ڈال کر گرفتار کیا اور رسول خدا کے پاس لے جا کر کہا کہ یہ قرآن اس کے خلاف پڑھتے ہیں جیسا آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول خدا قرآن صحابہ کو پڑھاتے تھے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ يَقُولُ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَى بَيْنَ كَفَيْهِ كَمَا يَعْلَمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ النَّحْيَاتُ لِلَّهِ الْخ. (بخاری)

بخاری میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ مجھے رسول خدا نے التحیات کی تعلیم کی جس طرح آپ قرآن کی سورۃ کی مجھے تعلیم دیتے تھے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا إِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَمْ نَتَعَلَّمِ الْعَشْرَ الَّتِي بَعْدَهَا حَتَّى نَعْمَلَ مَا فِيهَا. (کنز العمال ج ۱ ص ۲۳)

ابن مسعود فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ سے قرآن کی دس آیات ہم پڑھتے اس کے بعد کی آیات اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے۔

قَالَ خَطَبْنَا عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ وَاللَّهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةَ الْخ. (بخاری)

ابن مسعود نے ایک روز صحابہ کے بھرے مجمع میں خطبہ دیا اور کہا میں نے رسول خدا سے ستر اور چند سورتیں یاد کیں۔

عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں میں وفد ثقیف میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے قرآن پڑھایا۔ (طبقات ج ۱ ص ۲۱)

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ پر جب یہ آیت نازل ہوئی من يعمل سوءاً يجزيه الخ۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر جو آیت نازل ہوئی ہے وہ کیا تجھے نہ پڑھاؤں۔ عرض کیا ہاں تب آپ نے اُسے پڑھایا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۲۵)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دعایے مجھے آنحضرتؐ نے اسی التزام سے پڑھائی جس طرح قرآن پڑھاتے تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۰)

اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ صحابہ کو التزام سے قرآن پڑھاتے تھے۔ حضرت ابوالدرداءؓ، جابرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ، ابن عباسؓ کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مقدس کی خود تعلیم فرماتے تھے اور بعض کو تمام قرآن بھی

یاد کرایا جیسا... ابوالدرداء کا اقرار ہے کہ میں نے تمام قرآن آپ سے یاد کیا اور آپ نے محض اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ خود ہی تنہا تعلیم دیں بلکہ لوگوں کی جب کثرت ہوئی اور قرآن کے پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور اس طرف آپ کے اشتغال میں بھی زیادتی ہوئی تو ان صحابہ سے بھی جو قرآن آپ سے پڑھ چکے تھے بعض کو تعلیم قرآن پر مقرر فرمایا اور پڑھنے والوں کو حکم دیا کہ ان سے قرآن پڑھیں۔

اسْتَقْرَأَ الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمِ مَوْلَى أَبِي حَذِيفَةَ وَأَبِي بَنْ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ - (بخاری)

بخاری میں ہے آپ نے حکم دیا۔ ابن مسعود، سالم مولیٰ ابو حذیفہ، ابی بن کعب، معاذ سے قرآن پڑھو۔  
عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْغَلُ فَإِذَا قَدِمَ الرَّجُلُ مَهَاجِرًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ مِمَّنْ يَعْلَمُ الْقُرْآنَ فَدَفَعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا كَانَ مَعِيَ فِي الْبَيْتِ أَعْشِيَةَ عَشَاءِ الْبَيْتِ وَكُنْتُ أَقْرَبِيهِ فَأَنْصَرَفَ إِلَى أَهْلِهِ فَرَأَى أَنَّ عَلَيْهِ حَقًّا فَاهْدَى إِلَى قَوْمِ الْمَرَارِ جُودَ مِنْهَا عُدُودًا وَلَا أَحْسَنَ مِنْهَا عَطْفًا فَأَبَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا تُرِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ جَمْرَةٌ بَيْنَ كَتِفَيْكَ إِنَّ تَقَلِّدَهَا - (كنز العمال ج ۱ ص ۲۳۱)

کنز العمال میں عبادہ سے ہے جب کوئی شخص مدینہ میں ہجرت کرتا اور رسول خدا کسی کام میں مصروف ہوتے تو ایسے وقت میں اس مہاجر کو کسی صحابی کے متعلق کر دیتے تاکہ وہ اُسے قرآن پڑھائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مہاجر کو رسول خدا نے میرے متعلق کیا کہ میں اسے قرآن پڑھا دوں۔ یہ شخص جس کو میں قرآن پڑھاتا تھا میرے ساتھ ہی میرے مکان میں رہتا تھا اور میں شام کا کھانا بھی اُسے اپنے ساتھ کھلاتا تھا۔ اُس نے اپنے گھر جانے کے بعد خیال کیا کہ میرا اُس پر حق ہے اس لئے مجھے اُس نے ایک ایسی کمان ہدیہ دی جو نہایت عمدہ اور نرم تھی۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اس کمان کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا جہنم کی آگ ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ کے سوا دوسرے وہ صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے جن کو آپ نے اس لئے مقرر فرمایا تھا اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا آپ اُسے ضرور قرآن کی تعلیم خود دیتے یا دوسرے سے دلاتے جیسا عبادہ کہتے ہیں۔ فَإِذَا قَدِمَ الرَّجُلُ مَهَاجِرًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ مِمَّنْ يَعْلَمُ الْقُرْآنَ - یعنی جب کوئی مدینہ میں ہجرت کر کے آتا یعنی اسلام قبول کرتا تو پیغمبر خدا ضرور اسے کسی ایسے صحابی کے متعلق کرتے جو اُسے قرآن پڑھاتا۔ دیکھو رمضان سنہ ۱۰ میں قبیلہ عامر کے دس آدمی اسلام میں داخل ہوئے اور اتنے روز مدینہ میں

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا حرام ہے اور نیز ایسے طلبہ سے ہر یہ بھی لینا درست نہیں۔

رہے کہ ابی بن کعب سے قرآن پڑھ لیا۔ ابن خلدون میں ہے۔ قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 وَفَدَا عَامَ سَنَةِ مِنْ تَمَاضٍ عَشْرَةَ نَفَرًا فَاسْلَمُوا وَتَعَلَّمُوا شَرَايِعَ الْإِسْلَامِ وَأَقْرَأَهُمْ ابْنُ  
 الْقُرْآنِ۔ اور اسی سنہ میں قبیلہ عامر کے دس آدمی بھی گئے۔ رسول خدا نے ابی سے فرمایا کہ انہیں قرآن  
 پڑھاؤ۔ اسی سال بنی حنیفہ کا قبیلہ مدینہ میں آکر مسلمان ہوا اور اتنے روزوں قیام کیا کہ ابی سے قرآن  
 پڑھ لیا۔ (ابن خلدون میں ہے) قَدِمَ وَقَدْ بَنِي حَنِيفَةَ فِي سَنَةِ عَشْرٍ فَاسْلَمُوا وَأَقَامُوا أَيَّامًا  
 يَتَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ مِنْ أَبِي وَرِجَالٍ يَتَعَلَّمُونَ (ج ۲ ص ۵۶)۔ یعنی ابی سے لوگ قرآن پڑھتے تھے  
 انہیں میں بنی حنیفہ بھی پڑھنے لگے۔ تمیم کے ستر یا اسی آدمی مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور اتنے دن  
 قیام کیا کہ قرآن پڑھ لیا۔ سید دحلان مفتی مکہ مکرمہ اپنی تاریخ کے ج ۲ ص ۱۶۹ میں بغوی سے ناقل ہیں کہ  
 طفیل بن عمرو والدوسی کو ابی نے عہد مبارک میں قرآن پڑھایا۔ عمرو بن معدیکرب یمن سے مدینہ منورہ  
 میں آکر مشرف بہ اسلام ہوا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا اور قرآن پڑھا۔ پھر آنحضرت نے  
 اس کو یمن کا حاکم مقرر کیا۔ ۵۵۔ مذجج کے پندرہ آدمی مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور ایک گھوڑا رسول خدا  
 کو پیش کیا اور قرآن پڑھا اس کے بعد اپنے گھروں کو واپس گئے۔ ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ  
 پیغمبر اسلام نے صحابہ میں چند ذی علم صحابہ کو قرآن کی تعلیم کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ  
 بھی ضرورت کے وقت تعلیم دیتے تھے جیسا ابھی معلوم ہوا کہ ابن مسعود، ابی، معاذ، سالم تو خصوصیت  
 سے مقرر تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے فرمادیا تھا کہ مسلمان ان سے قرآن پڑھیں۔۔۔  
 چنانچہ نے ابی نے اکثر کو پڑھایا۔ یہ نہ خیال کرو کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم کی طرف یہ توجہ اور بے انتہا  
 کوشش مدینہ ہی سے شروع ہوئی تھی بلکہ جس وقت سے آپ نے اپنا دعویٰ پیش کیا اور وحی الہی  
 سے آپ مشرف ہوئے اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کی تعلیم دینا شروع کی۔ دیکھو عمر رضی اللہ عنہ  
 کو اپنی حالت کفر میں جب یہ معلوم ہوا کہ میری ہمشیر فاطمہ اور سعید حنظل بھائی جس کی فاطمہ سے شادی  
 ہوئی تھی مسلمان ہو گئے اور وہ ان کی تمہنیہ کے لئے فاطمہ کے گھر آئے تو دیکھا کہ اس وقت جناب بن اللات  
 ان دونوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ اب جب مسلمان مکہ کے قیام میں قرآن لکھتے اور چھپ کر  
 قرآن پڑھتے اور یاد کرتے۔ حالانکہ یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک اور خوف اور بے اطمینانی  
 کا تھا تو کیا مدینہ کی قیام میں جو ان کے لئے نہایت آزادی اور اطمینان کا وقت تھا اس سے غافل ہو گئے  
 ہوں گے اور نیز حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اول ہی سے قرآن لکھنا  
 شروع کر دیا تھا۔ آنحضرت کی یہ تعلیم قرآن محض انہیں مسلمانوں سے مخصوص نہ تھی جو مدینہ میں آئیں

۱۷ ابن خلدون ج ۲ ص ۶۶ ۱۸ استیعاب ج ۲ ص ۲۵۵ ۱۹ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۵

۲۰ عمرو بن معدیکرب عرب کے مشہور شعراء سے تھے۔ ۲۱ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۵ ۲۲ ابن خلدون۔

یا وہاں مقیم تھے بلکہ جو مشہور گانوں یا قبیلہ مسلمان ہوتا یا مسلمان اُسے فتح کرتے وہاں اول پیغمبر اسلام کسی ایسے شخص کو مقرر کر کے بھیجتے جو انہیں قرآن پڑھائے۔ انصارِ مدینہ نبوت کے بارہویں سال مکہ میں اگر جب مسلمان ہوئے اور اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو آنحضرت نے ابن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر کو ان کے ہمراہ کر دیا تاکہ وہ قرآن کی تعلیم دیں۔ زید بن ثابت کہتے ہیں۔ آنحضرت کے مدینہ میں تشریف آوری کے وقت تک میں نے سترہ سورتیں پڑھ لیں تھیں۔ بعد ازاں آنحضرت کے میں نے یہ تمام پڑھی ہوئی سورتیں آنحضرت کو سنائیں جس سے آپ نہایت خوش ہوئے۔ میں اس وقت گیارہ سال کا تھا۔

سلسلہ میں جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو وہاں معاذ کو آنحضرت نے اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ اہل مکہ کو قرآن پڑھائیں پھر سلسلہ میں حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد یمن اور حضرموت کی طرف معاذ کو روانہ فرمایا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ ابو تمیم جیشانی کہتے ہیں۔ میں نے معاذ سے یمن میں قرآن پڑھا۔ قارہ، عضل یہ دو قبیلے جب اسلام لائے تو ان کو قرآن پڑھانے کے واسطے ان چھ صحابی کو روانہ فرمایا۔ مرتد، عاصم، خبیب، خالد بن بکر، زید بن دثنہ، عبداللہ بن طارق۔ سلسلہ میں خالد بن ولید کو قبیلہ بنی الحارث کی طرف جو بحر ان کا ان پڑھ کر وہ تھا اس لئے بھیجا کہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں۔ خالد کے ہمراہ اس قبیلہ کا وفد مدینہ آکر جب واپس ہوا تو عمرو بن حزم کو جن کی عمر سترہ سال کی تھی ان کے ہمراہ تعلیم قرآن کے لئے کر دیا گیا۔ وفد بنی سعد میں جو قضاہ کی شاخ ہے ایک لڑکا قرآن کا بڑا عالم تھا۔ عثمان بن ابی العاص وفد ثقیف میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت نے انہیں قرآن پڑھایا اور پھر ابی بن کعب کی خدمت میں رہا اور قرآن پڑھتا رہا۔ (طبقات ج ۱، ص ۲۶) وفد بہراہ مدینہ میں قرآن پڑھ کر واپس گیا۔ کتب تواریخ سے ان ۲۵ قبیلوں کے جو مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے۔ یعنی دوس، ازد، فروہ جذامی، ہمدان، طارق بن عبداللہ، حبیب بنی سعد ہذیم، بنو اسد، وفد بہراہ، وفد بنی عیش، بنی حنیفہ، عبدالقیس، طی، اشعرین، صدرا، عذرا، ثقیف، بنی فزارہ، غاند، محارب، خولان، غسان، بنی الحارث، سلیمان، نخع۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اور نیز مصلحت بھی یہ تھی کہ ہر وفد کی واپسی پر ایک ایسا شخص ان کے ہمراہ کر دیا جاتا تھا جو انہیں قرآن پڑھائے اور احکام بتائے۔ اگرچہ یہ بات ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے آنحضرت کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اور یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ مخالفین کو بھی اس کے سامنے تسلیم خم کرنا پڑا اور اس سے انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ فاضل سرولیم میور عیسائی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے اور وہ

۱۵ ابن خلدون، کمال ابن اثیر بخاری۔ ۱۶ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵ استیعاب ج ۲ ص ۴۵۔ ۱۷ ابن خلدون ص ۵۹۔

۱۸ استیعاب ج ۲ ص ۴۵۔ ۱۹ طبری ج ۳ ص ۱۵۹۔ ۲۰ خلدون ج ۲ ص ۵۹۔ ۲۱ زاد المعاد ص ۵۹۔

اپنے تذکرہ اسلام جلد ۴ ص ۱۸ میں لکھتے ہیں :- اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک معلم اُن قاصدوں کے ہمراہ کر دیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں عرب کی ساری سرزمین اسلام کی روشنی سے منور ہو گئی تھی۔ یمن، حجاز، نجد، کاہجہ، بچہ خواہ مرد ہو یا عورت اسلام کے آگے سر اطاعت جھکا چکا تھا۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کا دل اس کی سنہری شعاعوں سے چمک نہ اٹھا ہو بلکہ اس وقت میں اسلام کے حلقہ بگوشوں کی تعداد حدود عرب سے تجاوز کر کے عراق، عرب اور شام کی حدود تک پہنچ گئی تھی اور اُن حدود پر اپنی فتح مندی کا نشان بلند کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ اور ہر شہر اور ہر قریہ میں اسلام کا منادی اور قرآن کا معلم مقرر فرمایا تھا جن کا رات دن اور ہر وقت یہی کام اور یہی خیال اور دُصن تھی کہ ناواقفوں کو واقف اور قرآن کا ماہر بنایا جائے۔

مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْإِسْلَامُ قَدْ انْتَشَرَ وَظَهَرَ فِي جَمِيعِ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ مِنْ مَّنْقَطِعِ الْبَحْرِ الْمَعْرُوفِ بِبَحْرِ الْقَلْزَمِ مَا زَالَ إِلَى سَوَاحِلِ الْيَمَنِ كُلِّهَا إِلَى بَحْرِ فَارِسَ إِلَى مَّنْقَطِعِ مَا زَالَ إِلَى الْفُرَاتِ ثُمَّ عَلَى صَنْقَةِ الْفُرَاتِ إِلَى مَّنْقَطِعِ الشَّامِ إِلَى بَحْرِ الْقَلْزَمِ وَفِي هَذِهِ الْجَزِيرَةِ مِنَ الْمَدِينِ وَالْقُرَى مَا لَا يَعْرِفُ عَدَدُهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كَالْيَمَنِ وَالْبَحْرَيْنِ وَعُمَانَ وَمَجْدِ دَجَلَةَ طِيٍّ وَبِلَادِ مِصْرَ وَرَبِيعَةَ وَقُضَاعَةَ وَالطَّائِفِ وَمَكَّةَ كُلِّهِنَّ قَدْ أَسْلَمَ وَبَنُوا الْمَسَاجِدَ لَيْسَ فِيهَا مَدِينَةٌ وَلَا قَرْيَةٌ وَجَلَّةٌ لِأَعْرَابٍ إِلَّا قَدْ قُرِءَ فِيهَا الْقُرْآنُ فِي الصَّلَوَاتِ وَعَلَيْهِ الصَّبِيَّانَ وَالرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَكُتِبَ وَمَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ كَذَلِكَ لَيْسَ بَيْنَهُمْ اخْتِلَافٌ فِي شَيْءٍ أَصْلَابٌ كُلُّهُمْ كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ وَدِينٌ وَاحِدٌ وَمَقَالَةٌ وَاحِدَةٌ. (ص ۱۸ جلد ۳ مطبوعہ مصر)

یعنی آنحضرت کے عہد محترم میں تمام عرب کا جزیرہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس جزیرہ میں بہت شہر اور گاونوں ہیں جیسے یمن، بحرین، عمان، جبل طی اور مضر، ربیعہ، قضاہ قبائل عرب کی بستیاں طائف مکہ اور ان تمام شہر اور مواضع میں کوئی بھی ایسا مقام نہ تھا جہاں مسجد نہ ہو اور ان تمام مسجدوں میں نمازوں میں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ تمام مسلمان اپنے بچوں اور عورتوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ علامہ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ جزیرہ عرب میں بہت سے شہر اور گاونوں میں پھر ان میں مسلمانوں کی تعداد سمجھ لینا چاہیے کہ کس قدر ہوگی۔ جزیرہ عرب پانچ صوبوں میں منقسم ہے۔ یمن، حجاز، تہامہ، نجد، یامہ۔ یمن کے مشہور شہروں میں حضرموت، مہرہ، عمان، شجر، بخران ہے۔ حجاز میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ ہے اور مدینہ کے مشرق میں قبیلہ طی کے دو پہاڑ ہیں جن میں وہ آباد تھے یعنی آجار پہلی۔

آپ کی اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کثرت سے لوگ قرآن کے عالم ہو گئے۔

سلسلہ میں نبی عامر سے ابوہریرہ بنجد کا یہودی جب مدینہ میں آیا اور اس نے اپنے ہمراہ معلمین لے جانے کی درخواست کی تو اُس وقت اس کے ہمراہ قرآنِ قرآن کی ایک جماعت جس میں ستر یا چالیس آدمی تھے کر دیئے گئے۔ زاد المعاد ص ۳۶ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ستر آدمی تھے اور اُن کے حال میں لکھتے ہیں۔ وَكَانُوا مِنْ نَجَارِ الْمُسْلِمِينَ وَفَضْلًا تَهُمْ وَسَادَاتِهِمْ وَقُرَّائِهِمْ۔ یعنی یہ نہایت دیندار سردارانِ اسلام سے تھے جو عالم و فاضل اور قاری تھے۔ ابتدائے ہجرت میں قرآن جاننے والوں کی جب یہ کثرت تھی کہ ایک قبیلہ کی تعلیم کے لئے ستر آدمی آپ نے روانہ فرما دیئے تو اس سے اس امر کا اندازہ نہایت سہل ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اُس وقت ایسے لوگوں کی کس قدر تعداد ہوگی جو قرآن کے واقف ہوں اور سلسلہ سے سلسلہ تک اس میں جو کچھ اضافہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ بھی اسی سے ہو سکتا ہے۔ رعل، ذکوان، عقیبہ، بنو لحيان آپ کی خدمت میں آئے اور اپنا اسلام ظاہر کیا اور اپنے ہمراہ اپنی قوم کے لئے معلمین لے جانے کی خواہش کی لہذا ستر قاری رسولِ خدا نے اُن کے ہمراہ کر دیئے۔ اس کے سوا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی اور فوجی مناصب اور عہدہ کے لئے قرآن کی سند شرط کر دی تھی اور یہ عہدے انہیں سے مخصوص کر دیئے گئے تھے جن کے پاس قرآن کی سند ہو یعنی وہ قرآن جانتا ہو۔ اس کے علاوہ نائب السلطنت اور ویسرے بھی وہی شخص بنایا جاتا

تھا جو قرآن جانتا ہو۔ فوج کا جنرل آپ اسی کو مقرر فرماتے جو قرآن جانتا ہو، یا دوسروں سے زیادہ ہو۔  
 عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا وَهُمْ ذُو عَدَدٍ فَاسْتَقْرَأَ هُمْ فَاسْتَقْرَأَ كُلَّ رَجُلٍ مِنْهُمْ بَعْثًا بِمَا هُوَ مَعَهُ مِنَ الْقُرْآنِ فَأَتَى عَلِيَّ رَجُلٌ مِنْ أَحَدِ ثَمِيمٍ سَبَّحًا فَقَالَ مَا مَعَكَ يَا فُلَانُ فَقَالَ مَعِيَ كَذَا وَكَذَا أَوْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ فَقَالَ أَمَعَكَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَذْهَبُ فَأَنْتَ أَمِيرُهُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِهِمْ وَاللَّهِ مَا مَنَعَنِي أَنْ أَلْعَمَّ الْبَقَرَةَ إِلَّا خَشْيَةَ أَنْ لَا أَقُومَ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَاقْرَؤْهُ۔ (ترمذی ج ۲)

ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا لشکر مرتب فرما کر روانہ فرمایا اور لشکر کے ہر سپاہی کا قرآن سنا۔ ہر ایک نے جو اسے یاد تھا پڑھا۔ ان سپاہیوں میں جو تمام سے عمر میں کم تھا اُس سے فرمایا کہ تجھے کس قدر یاد ہے۔ اُس نے چند سورتوں کا نام لیا جس میں سورۃ بقرہ بھی تھی۔ آپ نے فرمایا واقعی تجھے تمام سورۃ بقرہ یاد ہے۔ عرض کیا بے شب۔ تب آپ نے اسی کو اس فوج کا جنرل مقرر فرمایا۔ اس لشکر میں سے ایک بزرگ قوم نے عرض کیا کہ میں نے تو سورۃ بقرہ اس خیال سے نہیں یاد کی کہ شاید اُس پر عمل دشوار ہو۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو اور پڑھاؤ۔

۱۔ بخاری کتاب السیر۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس عہد میں قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ فوج کے ہر سپاہی کو کچھ حصہ قرآن کا یاد تھا۔ اُس کی نظر آج بھی باوجود کثرتِ اسباب اور ذرائع کے موجود نہیں ہے اور چوں کہ اُس وقت قرآن ایسا عام تھا کہ فوجی سپاہیوں کو بھی یاد ہوتا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض قرآن دانی کی وجہ سے کسی سپاہی کو جنرل مقرر نہیں فرما سکتے تھے۔ کیونکہ قرآن سب ہی کو یاد تھا بلکہ اس کے لئے امتحان کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے ہر ایک سپاہی کا امتحان لیا اور پھر جس کو قرآن میں زیادہ پایا اسی کو جنرل بنا یا اور اس کے مقابلہ میں عمر کی زیادتی یا قومی شرافت کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ ایسے سپاہی کو جو عمر میں تمام سے کم تھا محض قرآن کی وجہ سے افسر فوج مقرر کیا حالانکہ اور تمام اس سے بڑے تھے۔ اور ایک شخص ایسا بھی تھا جو سردار قوم تھا چونکہ اُس عہد میں جو طریقہ جنگ تھا اُس کے فنون سے عرب کا ہر ایک شخص واقف تھا اور لڑکپن سے ہی اُس کی بہارت اور کمال حاصل کیا جاتا تھا اس لئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ فوج کی افسری کے لئے قرآن کو معیار قرار دینا بے جوڑ ہے بلکہ فنونِ جنگ میں بہارت اور واقفیت کو معیار بنانا چاہیے کیونکہ اس میں تو عرب کے ہر آدمی کو کمال حاصل ہی تھا۔ ملکی عہدے بھی انہیں سے مخصوص تھے جن کے پاس قرآن کی سند ہو۔ کسی ضلع کا حاکم (کلکٹر) یا صوبہ کا والی (لفٹننٹ گورنر) یا سلطان کا نائب (وکیل) وہی بنایا جاتا تھا جس کو قرآن کی وجہ سے فضیلت ہو۔

تاریخ ابن ہشام میں ہے۔ طائف جس میں قبیلہ ثقیف تھا اس کا حاکم عثمان بن ابی العاص کو مقرر کیا محض اس وجہ سے کہ اس کو علم کا شوق زیادہ تھا اور قرآن پڑھا تھا۔ مراد، زبید، ندج۔ ان تینوں قبیلوں کا حاکم فرودہ مرادی کو صرف اس لئے مقرر کیا کہ اس نے قرآن پڑھا تھا۔ رسول خدا نے یمن و فدروانہ کیا اور ان میں سے ایک کم سن والے کو اُن کا امیر اس لئے مقرر کیا کہ اُس نے قرآن پڑھا تھا۔ آپ کے عہد میں امامتِ نماز کا حق بھی صرف سلطان اور اُس کے نائب اور حاکم کا تھا چنانچہ خلیفہ اول کو آنحضرت نے چونکہ اپنے سامنے امام نماز مقرر فرمایا تھا اُس وجہ سے آپ کے بعد وہ خلیفہ بنائے گئے۔ نماز کی امامت کے لئے آپ نے یہ قانون مقرر کیا تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہی نماز پڑھائے جس کا مطلب بالفاظِ دیگر یہ ہوا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہی حاکم کیا جائے۔۔۔ قاضی القضاة (چیف جسٹس) قاضی (جج) بھی ایسے ہی لوگ بنائے جاتے تھے جن کو قرآن یاد تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنا قائم مقام ایسے ہی شخص کو مقرر فرماتے جو قرآن جانتا ہو۔ اکثر ابن ام مکتوم کو جو نابینا تھے مگر قرآن یاد تھا۔ آنحضرت مدینہ

۱۷ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۵۔ ۱۸ کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۱۔

۱۹ تمام صحابہ میں سے آنحضرت کا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت ابو بکر کو پورا قرآن یاد تھا اور دیگر صحابہ سے آپ اس کے زیادہ واقف تھے۔



میں اپنا نائب بناتے۔ تمام صوبہ میں کامعاذ کو حج مقرر کیا۔ اب ان واقعات کے بعد دیکھئے کہ اس وقت گورنمنٹ نے ہر شعبہ کے اعلیٰ عہدے کو اپنی قوم سے خاص کر دیا ہے خواہ وہ ملکی ہو یا فوجی یا تعلیمی۔ فوج کا افسر اعلیٰ یعنی کمانڈر انچیف، ملکی اعلیٰ افسر (گورنر جنرل) تعلیمی افسر اعلیٰ (ڈائریکٹر) ان کے قوم کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کے ماتحتی میں چند عہدوں پر اہل ہند مقرر کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے جس سند کی شرط ہے باوجودیکہ وہ دوسری زبان ہے اور اس کے حاصل کرنے میں بھی دس پندرہ سال صرف ہوتے ہیں لیکن اس پر بھی لاکھوں کی تعداد میں اس کے سند یافتہ ملک میں موجود ہیں۔ اب اس پر غور کرو کہ جو علم ان کی زبان میں ہو، جس کے لئے زیادہ وقت بھی صرف نہ ہو، جس کی وجہ سے ملکی، فوجی، تعلیمی، ہر قسم کے منصب کا بلا استثناء چھوٹے بڑے عہدے کا ہر صیغہ میں مستحق ہو جائے۔ اور ان تمام امور کے سوا بھی مذہبی مقتدا اور دینی اعتبار سے بھی بڑے بڑے منصب کا مستحق بنایا جائے تو ایسے علم کے سند یافتوں کی تعداد اس وقت ملک میں کس قدر ہوگی اور جس سند کے حامل کرنے میں زیادہ وقت اور ناقابل برداشت محنت کی ضرورت نہ ہو اور جس سند سے بلا استثناء ہر دنیاوی منصب اور عہدے کا مستحق ہو اور اسی کے ساتھ دینی برکتوں اور اخروی فضائل کا بھی وارث ہو تو ایسی سند کے لئے کتنے دل مائل ہوں گے اور کون ایسا ہوگا جو اس میں کمی کرے گا۔ اور کون ہوگا جو اس کے لئے نہ تڑپے گا۔ ان کے علاوہ بھی ہر طرح کے مناسب امور ترغیب کے لئے آپ اختیار فرماتے۔ غزوہ احد میں شہداء کے دفن کرتے وقت آپ نے ایک قبر اور کفن میں متعدد کو دفن فرمایا اور ان میں اس کا لحاظ رکھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد تھا اس کو دفن میں مقدم فرمایا۔ (بخاری جنابز)

ایک شخص سے ایک عورت کا نکاح بلا مہر معجل اس لئے کر دیا کہ اس کو قرآن کی کچھ سورتیں یاد تھیں۔ (بخاری نکاح)

ان سب اسباب و ذرائع کے سوا قرآن پاک میں زبان کی شیرینی، الفاظ کی مناسبت اور نہایت اعلیٰ بندش، اس کے جلوں کا اتار چڑھاؤ ایسا بے مثل اور پاکیزہ ہے جس کے سننے سے اہل زبان کے علماء اور فصحاء اُدبار بے اختیار ہو گئے اور قرآن کے مقناطیسی جذبات نے ہر دل کو اپنا ایسا فریفتہ اور گرویدہ بنا لیا کہ فصحاء اور شعراء عرب نے قرآن سن کر شعر کہنا چھوڑ دیا۔  
فاضل نوفل مسیحی صَاحِبَةُ الطَّرَبِ صَاحِبَةُ الطَّرَبِ صَاحِبَةُ الطَّرَبِ لَقِيَتْهُنَّ بِمِثْلِهَا  
الْأُمَّمُ أَنَّ الْعَرَبَ أَقَامَتْ تَسْبِيحًا لِهَذَا الْمَعْلَقَاتِ ثَمَوِيَّةٍ وَخَمْسِينَ سِنَةً إِلَى أَنْ ظَهَرَ  
الْإِسْلَامُ وَأَبْطَلَ الْقُرْآنُ بِسَطْوَةِ فَصَاحِبَتِهِ اعْتِبَارًا وَالْعَرَبَ لِهَذَا الْمَعْلَقَاتِ۔ اہل عرب

لہ اہل عرب جس طرح اور اخبار کو سجدہ کرتے تھے اسی طرح فصاحت اور بلاغت کی پرستش کا بھی ان میں رواج تھا دیکھو صناعہ۔

ملاقاتِ سب سے کوڑ پڑھ سو برس سجدہ کرتے رہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس کی فصاحت نے انہیں گرد کر دیا۔ خلیفہ دوم نے ایک بار لبید بن ربیعہ شاعر سے کہا کہ اپنے کچھ اشعار سنا۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے سورہ بقرہ اور آل عمران جب سے پڑھی ہے اسی وقت سے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ یہ طبقات ابن سعد کی ج ۲ ص ۲ اور جمہورہ کے ص ۳ میں ہے کہ لبید نے مسلمان ہونے کے بعد اس بنا پر شعر کہنا چھوڑ دیا کہ قرآن میں اُسے اس سے زیادہ لطف اور لذت ملتی تھی اور اسی لئے اُس نے تمام قرآن یاد کر لیا تھا۔ طبقات الشعراء میں ہے کہ لبید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شعر سنانے کی فرمائش کی تو لبید نے سورہ بقرہ سے کچھ سنا کر عرض کیا کہ خدا نے بقرہ، آل عمران کا جب سے مجھے علم دیا اُس وقت سے میں نے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کے وظیفہ میں پانسو کی ترقی کی اور بجائے دو ہزار کے ڈھائی ہزار کر دیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے ارادے سے جب حبشہ کے سفر کا قصد کیا تو ابن دغنیہ سے کہا کہ آپ کو واپس لایا اور خود اُن کا ذمہ دار ہو گیا اور کہا کہ آج سے کوئی شخص آپ سے تعارض نہ کرے گا چنانچہ کفار مکہ سے ابن دغنیہ نے یہ تمام حال کہا۔ کفار نے کہا بہتر لیکن آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیں کہ نماز میں قرآن روز سے نہ پڑھیں کیونکہ قرآن سن کر ہماری اولاد اور عورتیں بے خود ہو جاتی ہیں اور اس کی فصاحت کا اثر اُن کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اُن کے مسلمان ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

قبل اسلام لانے کے خالد بن ولید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ قرآن سنائے۔ آپ نے آیات ذیل پڑھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ اِيْتَاءَ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ آخر تک اس کو پڑھا۔ اس کے سننے سے خالد بن ولید کے شوق کی حرارت اور بڑھ گئی اور قلب کی لذت نے ہل من مزید کا نعرہ بلند کیا جس پر خالد نے درخواست کی کہ انہیں آیات کو پھر دوبارہ پڑھ دیجئے۔ آپ نے پھر سنایا۔ اب تو خالد بے اختیار بول اُٹھے۔ وَاللّٰهُ اِنَّهُ لَحَلَادَةٌ۔ وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَادَةٌ۔ وَاِنَّ اَسْفَلَهُ لَمَغْدَقٌ وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمَثْرٌ۔ وما يقول هذا بشراً۔ یعنی خدا کی قسم یہ کلام شیریں ہے اور اس میں حسن و خوبی ہے۔ یہ سرتاپا سرسبز و شاداب درخت ہے جو نیچے سے ہر اوراد پر سے بھرا ہوا ہے۔ انسان کی تو یہ طاقت نہیں کہ ایسا کلام بول سکے۔

حبشہ میں شاہ حبشہ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ کہیل بعض سنائی تو اس نے سن کر بے اختیار شہادت دی کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور مسلمان ہو گیا۔

عقبہ بن ربیعہ نے جو اپنی قوم کا سردار تھا ایک روز قریش کے مجمع میں کہا کہ تم اگر راضی ہو تو آنحضرتؐ سے مصالحت کی گفتگو کروں۔ شاید وہ مان جائیں۔ تمام نے باتفاق اسے منظور کیا۔ عقبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت آپ مسجد حرام میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ باتیں ایسی کہیں جن کا منشا یہ تھا کہ آپ اپنی دعوت سے باز آئیں۔ آپ نے اُسے سورۃ حج سُنائی جس پر وہ متحیر اور بیخود ہو گیا اور کفار سے کہا۔ **وَاللّٰهِ مَا سَمِعْتُ مِثْلَهُ قَطًّا وَاَللّٰهِ مَا هُوَ بِالشَّعْرِ وَلَا بِاللِّسَانِ وَلَا بِالْكَفَّانَةِ** یعنی میں نے تو آج تک ایسا کلام سُنا ہی نہیں خدا کی قسم یہ جادو یا شعر اور کہانت نہیں ہے۔ عرضی آپ نے جو اپنے گھر سے اس ارادے سے نکلے تھے کہ آج سر مبارک کو جُدا کر کے لاؤں گا۔ جب آپ نے بہن فاطمہؑ سے قرآن سُننا تو اسلام پر مجبور ہو گئے اور بے اختیار بول اُٹھے کہ یہ کلام عجیب ہے ایسا تو کبھی سُننا نہیں۔ عقبہ اولیٰ میں مدینہ کے چھ آدمیوں کو آپ نے جب قرآن سُنایا تو وہ بول اُٹھے، بے شک آپ نبی ہیں اور یہ کلام اپنی تاثیر میں بے نظیر ہے۔ اس قسم کے واقعات اسلامی تاریخوں میں بہت ہیں جن سے یہ بات یقینی ثابت ہوتی ہے کہ مخالفین اہل عرب نے جو زبان داں اور اس کے فاضل اور ادیب فصیح تھے... جن کو قرآن کی عربیت کے تولنے اور اس کی لطافت، خوبی، عمدگی، شیرینی، دل فریبی، جذب مقناطیسی کے جانچنے اور اندازہ کرنے اور سمجھنے کا کامل استحقاق تھا اور ان ہی کی طبیعت اور ذوق ان امور کے لئے کسوٹی اور ترازو تھی قرآن کی بلاغت کے سامنے سر جھکا دیا اور اس میں کلام نہیں کیا اور نیز صحابہ میں بھی ایسی بڑی جماعت فصحاء اور ادباء کی تھی جو اعلیٰ درجہ کے فصیح اور بلیغ تھے اور کلام فصیح اور غیر فصیح میں فیصلے اور امتیاز کی کامل استعداد اور ملکہ راسخہ مبدارہ فیاض نے اُن کو عطا فرمایا تھا۔ جب ان صحابہ اور نیز اُس وقت کے مخالفین نے جو زبان عربی کے ماہر تھے قرآن کی فصاحت اور بلاغت کو مان لیا اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تو ان اہل زبان کے مقابلہ میں غیر زبان داں کے شکوک کی کیا وقعت ہوگی۔ اور وہ سچائی کے میدان میں کہاں تک متحرک نظر آئیں گے یا کسی ایک دو اہل زبان کی مخالفت ایک بڑی جماعت کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکتی ہے اور کب تک مقابلہ میں ثابت قدم رہے گی۔

الحاصل قرآن نے اپنے اُن اوصاف سے بھی تمام اہل عرب کے دلوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنا فریفتہ اور گرویدہ کر لیا تھا اور اُس وقت یہ حالت تھی کہ مسلمانوں کے سوا کفار بھی اسے سُن کر ایسے بے چین ہوتے کہ یاد کر لیتے تھے۔ ابوسفیان، ابو جہل، عمرو بن وصب، احنس بن شریق جو اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر بے انتہا تلے ہوئے تھے اور اُن کے رگ دریشے میں اس کا خون جوش زن تھا وہ بھی چھپ کر سننے پر بے اختیار تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان تینوں نے

تین شب متواتر چھپ کر اس طرح سے کہ کوئی نہ جانے رسول خدا کا پڑھنا سنا اور ہر روز دن میں اپنے اس فعل پر نفرین اور ملامت کی، لیکن رات میں جب پڑھنے کی آواز کانوں میں پڑتی تو بے اختیار نکلتے اور موقع پر جا پہنچتے۔

طفیل بن عمرو دوسری جو اپنی قوم میں سردار اور بڑا شاعر اور سمجھدار تھا جب مکہ آیا تو اس کے پاس قریش کے چند آدمی آئے اور کہا کہ اے طفیل دیکھ ہرگز اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک نہ جانا اور نہ اس کی بات سنا، اس کے سائے سے بھاگنا، اس کا کلام ایسا ہے کہ آدمی اُسے سن کر مفتون ہو جاتا ہے، اُس کے ہوش و حواس باقی نہیں رہتے۔ لیکن طفیل نے ان کی بات نہ سنی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے جب قرآن سنا یا تو بے اختیار کہا۔ **وَ اللّٰہِ مَا سَمِعْتُ قَوْلًا اَحْسَنَ مِنْہُ۔** خدا جانتا ہے میں نے تو اپنی عمر میں کبھی اس سے بہتر کلام کسی کا نہیں سنا اور ایمان لے آیا۔ مکہ میں عیسائی آئے۔ رسول خدا نے اُن کو قرآن سنا یا جب اُنھوں نے قرآن سنا بے اختیار اُس پر ایمان لے آئے۔ سوید بن صامت جس کا نام عرب کے اہل کمال کی فہرست میں تھا اور اپنے عہد میں ہر اعتبار سے شہرت کے تحت کا مالک تھا جب مکہ آیا اور رسول خدا اس کے پاس آئے تو آپ سے کہا کہ جس طرح کا کلام تمہارے پاس ہے ویسا ہی میں جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس کیا ہے۔ کہا لقمان کے نصاب۔ فرمایا پڑھو۔ جب اُس نے سنا یا تو آپ نے اُس کی تحسین کی اور فرمایا۔ میرے پاس اس سے بھی اعلیٰ ہے جس کو خدا نے اتارا ہے۔ سوید نے کہا سنایتے۔ تب آپ نے سنا یا۔ سوید نے کہا واقعی یہ عمدہ ہے اور ایمان لایا۔ سوید بن حضیر اور سعد بن معاذ پر مصعب بن عمیر نے جب قرآن پڑھا تو وہ ایمان لے آئے۔ یہ نابغہ جدی جو عرب کے مشہور شعراء اور ارباب کمال میں تھا جب مسلمان ہوا تو قرآن کی تعریف میں کہا۔ قرآن فصاحت و بلاغت کا چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے۔ عمر بن سلمہ نے سات سال کے سن میں جبکہ وہ کفر کی تاریکی میں چھپے ہوئے تھے اور ایک ایسے پانی کے چشمہ پر جو لوگوں کا گذر گاہ تھا، مقیم تھے محض آنے جانے والوں سے سن کر کچھ قرآن یاد کر لیا تھا۔ یہ سات برس کے بچے کا قرآن یاد کرنا کسی جوش مذہبی اور حسن عقیدت کا کرشمہ تھا۔ اس کی تصدیق تو اُن کے کفر کی حالت سے کر لو یا کسی دنیا کی طمع سے تھا۔ نہیں نہیں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کی خوبی اور عمدگی نے اس بچے کے دل پر اپنا خاص اثر کر کے اپنا شیدا اور فریفتہ بنا لیا اور اس کے دل میں اس قدر ذوق و شوق ہو گیا کہ جو اس راستہ سے گذر تا وہ اُس سے سن کر یاد کر لیتا جس طرح آجکل بھی چھوٹے چھوٹے بچے اچھے کلام کو سن سن کے اپنے شوق سے یاد کر لیتے ہیں۔

۱۵ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۱ ۱۶ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۲ ۱۷ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۳

۱۸ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۴ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۳۳ ۱۹ ابن ہشام ص ۱۵۰ ۲۰ آغانی ج ۲ ص ۱۳۱ ۲۱ بخاری مغازی۔

الغرض کسی کلام اور کتاب کے یاد کرنے اور لکھنے اور پاس محفوظ رکھنے کے چار سبب ہو سکتے ہیں:

(۱) اُس کے یاد کرنے میں کوئی مذہبی ثواب ہو اور مذہب کی طرف سے اس کی تاکید ہو۔ اگر کسی کتاب میں یہ خصوصیت ہو تو تنہا اسی کی وجہ سے وہ کتاب مرغوب اور پسندیدہ ہو جاتی ہے اور لوگ اُسے لکھتے ہیں اور محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) کسی کتاب یا کلام کی یاد میں دنیاوی نفع یا عہدہ کی امید دلائی جائے تو اس وجہ سے بھی وہ یاد کی جاتی ہے جیسے آج کل نصاب امتحان کی کتابوں کی یاد میں طلبہ کس قدر محنت شاقہ اٹھاتے ہیں۔

(۳) کسی کے متعلق دنیاوی ضرورت ہو یا اخلاقی یا مذہبی یعنی وہ قانون تمدن ہو یا مذہبی تو اُس کو بھی یاد کر لیتے ہیں اور اُس کی نقلیں کرتے ہیں۔

(۴) جو کلام نہایت عمدہ اور خوب ہو خصوصاً جبکہ وہ زبان اور معنی دونوں کے حُسن سے آراستہ ہو اور بلاغت و فصاحت کے اعلیٰ ترین پر ہو تو ایسا کلام بھی عام و خاص کی زبان پر ہوتا ہے اور عالمگیر شہرت اور قبولیت عام کی وجہ سے ہر شخص کے کانوں تک پہنچ جاتا ہے اور ملک کے ہر کسب نامس کو یاد ہو جاتا ہے۔

یہ چار وجہ ایسی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کلام کے یاد کرنے اور لکھنے کے لئے مستقل اور کافی دلیل ہے اور اس وقت اس کی ہزاروں مثالیں شہادت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اب جس کلام اور کتاب میں یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں یعنی عہد مبارک میں قرآن پاک دنیاوی عہدوں کے لئے سند تھانہ مذہبی ثواب میں کوئی عمل اس کا ہمسرہ نہ تھا۔ اخلاقی، تمدنی، مذہبی قانون ہی فصاحت و بلاغت میں بھی اعلیٰ ہے۔ تو کیا ان تمام وجوہ کا ایک جگہ جمع ہو جانا قرآن کے لکھنے اور یاد کرنے کے لئے روشن دلیل نہیں اور کیا اتنے اسباب کے جاننے کے بعد بھی اُس وقت میں قرآن کے لاکھوں حفاظ کے ہونے میں شبہ ہو سکتا ہے اور کیا یہ قطعی نہیں کہ اس سے بہت زیادہ تعداد میں اس وقت اس کے نسخے ہونگے جن واقعات کی تصدیق کے لئے اُن کے علل اور اسباب کی شہادت ہو تو ایسے واقعات کے یقین کے لئے اور ان کے باور کرنے اور ماننے کے لئے ہر قلب سلیم اور ہر فہم مستقیم مستعد اور آمادہ پایا جاتا ہے اور ان واقعات کی بنیاد ایسے بلند مضبوط پہاڑ کی چٹان پر قائم ہے جہاں کسی قسم کی تاریکی، بطالت، کج روی کے شک و شبہ کا گرد و غبار بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ کسی قسم کا زلزلہ اس میں پیدا کر سکتا ہے بلکہ یہ مشبہات اور توہمات جب اس چٹان سے ٹکراتے ہیں تو خود ہی پاش پاش ہو کر تار عنکبوت کی طرح اڑ جاتے ہیں۔ عہد مبارک میں قرآن کی یاد کرنے اور لکھنے کے ثبوت میں ان اسباب کی شہادت کے بعد اگرچہ اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ اُن حفاظ قرآن کا نام نامی بتایا جائے جن کو عہد اول میں قرآن یاد تھا اور اسی طرح قرآن کے جو نسخے اُس وقت میں مرتب



(۱) آنحضرت کے اس دریافت فرمانے سے کہ ان میں قرآن کا زیادہ حافظ کون ہے معلوم ہوا کہ شہدائے اُحد میں قرآن سب کو یاد تھا مگر فرق صرف یہی تھا کہ کسی کو زیادہ کسی کو کم ورنہ آپ محض کمی زیادتی ہی کے دریافت فرمانے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ یہ بھی دریافت کرتے کہ ان میں کس کو یاد ہے اور کس کو نہیں یاد ہے۔

(۲) دوسرے قرآن ایسا عام ہو گیا تھا اور اس طرح سے وہ اسے پڑھتے پڑھاتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کی حالت سے پورے واقف تھے۔ آپ کے عہد میں محض بیہ معونہ میں سترحفاظ جو قرآن کی تعلیم کے لئے جارہے تھے شہید کئے گئے۔ یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کی تعلیم کے لئے مسلمانوں سے سترحفاظ کا جانا کیا اس امر پر روشن نشان نہیں کہ اُس وقت مسلمانوں میں حفاظ کی ایسی کثرت تھی جو ایک قبیلہ کے لئے سترحفاظ تیار ہو گئے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ اُس وقت میں اکثر قبیلوں اور ملکوں اور قریوں میں حفاظ قرآن روزانہ روانہ کئے جاتے تھے اور ہر مسلمان قبیلہ اور شہر میں آپ تعلیم کے لئے حفاظ قرآن روزانہ روانہ فرماتے تھے۔ تو ایسی حالت میں جب ایک مقام کو اس قدر حفاظ روانہ کئے گئے تو دیگر قبائل اور شہروں اور خود مدینہ میں کس قدر حفاظ ہوں گے اور پھر آئندہ کی ضرورت کے واسطے بھی ضرور ایک کافی تعداد میں ہوگی ورنہ کافی تعداد نہ ہونے پر ہرگز بیہ معونہ کے موقع پر سترحفاظ مدینہ سے روانہ نہ کئے جاتے اور نیز دیگر ممالک اسلام اور قبائل میں بھی ضرور اسی نسبت سے حفاظ کی تعداد ہوگی۔

سالہ میں مسیلمہ یامی اور مسلمانوں کا جب مقابلہ ہوا تو اس میں مدینہ کے ہاجرین اور انصار دونوں ملا کر تین ٹکڑے شہید ہوئے جس میں ستر آدمی وہ تھے جو قرآن کے حافظ تھے۔ مورخین اسلام نے تو صحابہ کے حالات میں اس بنا پر حفظ قرآن کو نہیں لکھا کہ اس وقت میں قرآن کا یاد کرنا بہت عام تھا اور یہ عام ہونے کی وجہ سے قابل ذکر وصف ہی نہیں رہا تھا اور نہ یہ کوئی خاص اور امتیازی وصف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن چونکہ بعض ناواقفوں کو اس سے یہ خیال ہوا کہ صحابہ میں حفاظ قرآن بہت کم تھے بلکہ اس قدر تھے جو انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں اور نیز بعض روایات بھی ایسی ہیں جو اپنی ظاہری معنی کی رو سے اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ اس لئے میں یہاں چند حفاظ صحابہ کا نام لکھتا ہوں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اُن کا یہ خیال سچائی اور واقعیت سے کس قدر دُور ہے اور یہ روایات اپنے ظاہر معنی کی رو سے صحیح نہیں۔

(۱) عبداللہ بن عمرو بن العاص نے رسولؐ میں انتقال کیا۔ استیعاب میں ہے۔ كَانَ فَاضِلًا حَافِظًا عَالِمًا قَسَّ الْكِتَابَ۔ عالم فاضل حافظا ہے۔ قرآن پڑھا تھا۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں صحابہ میں مجھ سے زیادہ ان کے سوا کسی کو حدیث یاد نہ تھی۔ اُن کو چونکہ رسولؐ خد نے احادیث کے لکھنے کی اجازت

دی تھی اس لئے یہ لکھتے تھے اور میں لکھتا تھا۔ یہ رات بھر عبادت کرتے دن کو روزہ رکھتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ایک رات میں یہ ختم قرآن نماز میں کر لیتے تھے۔ اس سے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ سات دن میں ختم کیا کرو۔ رات میں جس قدر ان کو پڑھنا ہوتا وہ دن میں اُسے پڑھتے اور کسی کو سنا دیتے تاکہ رات کو سہولت ہو۔ انہیں عبد اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حافظ کی شکایت کی تھی کہ مجھے آپ کی احادیث یاد نہیں رہتی ہیں بھول جاتا ہوں اگر اجازت ہو تو میں انہیں لکھ لیا کروں۔ آپ نے محض انہیں کو حدیث کے لکھنے کی اجازت دی۔ اس لئے ان کے سوا صحابہ میں کسی نے حدیث نہیں لکھی۔ عبد اللہ کو جو تمام میں ضعیف الحفظ تھے جب پورا قرآن یاد تھا تو کیا دوسرے صحابہ نے جن کا حافظ قوی تھا یاد نہ کیا ہوگا اور جب کہ قرآن تھوڑا تھوڑا بتدریج ۲۳ سال میں اسی لئے نازل ہوا تاکہ یاد میں آسانی ہو۔ چنانچہ قرآن کے بتدریج نازل ہونے اور ایک بار نہ نازل ہونے میں خود قرآن نے بھی یہی مصلحت بیان کی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ لَوْلَا نَزَّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً (فرقان۔ رکوع ۳ جز ۱۹) یعنی کافروں نے اعتراض کیا کہ تمام قرآن ایک دفعہ ہی کیوں نہ نازل ہوا تو خود قرآن ہی نے اس کے جواب میں کہا کہ تھوڑا تھوڑا اس لئے نازل ہوا تاکہ یاد ہو جائے۔ خیرمہ ایک روز عبد اللہ کے یہاں گئے تو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کھولے ہوئے اُس میں تلاوت کر رہے ہیں۔ دریافت کیا تو کہا کہ رات کو جو تہجد میں پڑھوں گا اُس کا ورد کر رہا ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا بھی تھا۔

(۲) قیس بن صعصعہ قیس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں کتنے روز میں قرآن ختم کیا کروں۔ فرمایا پندرہ راتوں میں۔ عرض کیا حضرت میں اس سے کم میں بلا مشقت پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا ہر ہفتہ میں۔ پھر عرض کیا کہ اس سے کم میں پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا بس اس سے کم میں نہیں پڑھو۔

(۳) سعد بن المنذر بن اوس۔ سعد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ تین روز میں قرآن ختم کرنے کی اجازت فرمائیے۔ فرمایا اگر ہو سکے تو بہتر ہے۔

(۴) عبد اللہ بن عمر بن الخطاب۔ نسائی میں ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ مجھے قرآن یاد تھا اور ایک رات میں اُسے ختم کیا کرتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے منع کیا اور ایک ماہ میں ختم کا حکم دیا۔

۱۔ بخاری فضائل قرآن ۵ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۱ استیعاب ج ۲ ص ۵۲۵۔ کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۴۔ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۹۔ فتح الباری اسد الغابہ۔ ۵ فتح الباری ج ۹ ص ۴۴۔



(۵) عقبہ بن عامر الجہنی۔ یہ فقہار صحابہ میں بڑے علامہ اور فاضل تھے۔ انھوں نے تمام قرآن اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ ان کا لکھا ہوا قرآن مصر میں خود یونس نے دیکھا ہے۔ انھیں بھی پورا قرآن یاد تھا۔  
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶)

(۶) ابوالدردار۔ فقہار صحابہ میں تھے۔ بڑے عالم فاضل تھے۔ دمشق میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ انھوں نے قرآن رسول خدا سے یاد کیا تھا۔ اَحَدُ الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْقُرْآنَ حِفْظًا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلاِخْتِلافٍ۔ (مفتاح السعادة ج ۱ ص ۳۵۸) قرآن کے ان حافظوں میں سے جنہوں نے آنحضرت کے عہد میں قرآن حفظ کیا تھا، ابوالدردار بھی ہیں۔

(۷) تمیم داری۔ یہ اہل کتاب کے علماء میں سے تھے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ خلیفہ دوم نے اپنے عہد میں رمضان میں مردوں کے لئے انھیں امام مقرر کیا تھا۔ تراویح بھی پڑھاتے تھے۔ تہجد میں ان کا معمول تھا کہ سات رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔

(۸) معاذ بن الحارث الانصاری۔ یہ قاری ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ خلیفہ دوم نے انھیں بھی رمضان میں تراویح پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔

(۹) عبداللہ بن سائب۔ یہ بھی قاری کے نام سے مشہور ہیں۔ مکہ معظمہ میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ اہل مکہ نے ان سے قرآن پڑھا۔

(۱۰) سلیمان بن ابی حشمہ۔ یہ بھی حافظ قرآن تھے۔ خلیفہ دوم نے انھیں رمضان میں عورتوں کو قرآن سنانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں مرد اور عورتوں کا امام انھیں کو رمضان میں تراویح کا مقرر کیا تھا۔

(۱۱) ابی بن کعب۔ تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے ان کے متعلق جو لکھا ہم بھی انھیں کے الفاظ لکھتے ہیں۔ اَقْرَأُ الصَّحَابَةَ وَسَيِّدُ الْقُرَّاءِ۔ قَرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ قاریوں کے سرپرست۔ صحابہ میں قرآن کے زیادہ واقف۔ رسول خدا سے قرآن پڑھا۔ انھیں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں قرآن کا قاری ابی سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ آپ کے عہد میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں رمضان میں قرآن سنانے کے لئے انھیں بھی مقرر کیا تھا۔ تہجد میں آٹھ رات میں ختم کرتے تھے۔ (طبقات قسم ۲ ج ۳ ص ۵۹)

(۱۲) زید بن ثابت۔ ذہبی نے اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ مِنَ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ كَتَبَ الْوَحْيَ وَحَفِظَ الْقُرْآنَ وَاتَّقَنَهُ (ج ۱ ص ۲۶) یہ علماء راسخین سے ہیں۔ کاتب وحی تھے قرآن حفظ تھا۔

۱۰ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۳۳ ۱۱ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۱ ۱۲ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۸۵  
۱۳ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۴ ۱۴ طبقات قسم ۲ ج ۳ ص ۵۹ ۱۵ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۸۵  
۱۶ استیعاب ج ۱ ص ۲۹۵ اسد الغابہ ۱۷ طبقات ج ۵ ص ۱۴۱ ۱۸ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۱

(۱۳) معاذ بن جبل - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ان کو قرآن کا معلم مقرر کیا اور عام طور سے یہ کہہ دیا کہ ان سے قرآن پڑھو۔ یمن میں قرآن کی تعلیم کیلئے ان کو بھیجا اور نیز وہاں کا قاضی بھی ان کو مقرر کیا اور چلتے وقت دریافت فرمایا کہ فیصلہ کس طرح کرو گے۔ معاذ نے عرض کیا۔ قرآن سے، اگر قرآن سے حکم نہ معلوم ہوگا تو پھر اپنے اجتہاد سے فیصلہ دوں گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن انہیں یاد تھا۔ ورنہ یہ کہنا کہ فیصلہ قرآن سے دوں گا اور اگر قرآن میں نہ ہو تو رائے سے کروں گا بلا قرآن یاد کئے کیونکر صحیح ہوگا۔ دوسرے ان کو قرآن کا مدرس بنا بھی اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ انہیں قرآن یاد ہو۔ علاوہ اس کے ان کے حافظ ہونے پر تمام کا اتفاق ہے۔

(۱۴) سعد بن عبید بن نعمان انصاری - یہ بھی حافظ قرآن ہیں اور یہ قاری کے لقب سے مشہور ہیں ان کو سعد انصاری کہتے ہیں۔ اسد الغابہ میں ہے۔ وهو اول من جمع القرآن من الانصار۔ یہ انصار میں پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قرآن یاد کیا۔ لہ

(۵) مسلم بن مخلد بن الصامت - مجاہد کہتے ہیں کہ میں سمجھا تھا کہ مجھے قرآن تمام سے اچھا اور بہتر یاد ہے۔ لیکن مسلم نے جب صبح کی نماز میں پوری سورہ بقرہ پڑھی اور اس میں کسی قسم کی غلطی نہ کی تو میں سمجھا کہ ان کو بھی عمدہ یاد ہے۔ لہ

(۱۶) عثمان بن عفان - ابن سیرین کا بیان ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔ لہ

أَحَدٌ مِّنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَعَرَضَ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ الْمُعَيَّرَةَ بِنِ ابْنِ شَهَابٍ الْخَزَوِيِّ وَالْبُعَيْدِ الرَّحْمَنِ زُرْبِينُ حَبِيثٍ وَأَبُو الْأَسْوَدِ الدَّخَلِيِّ (مفتاح ج ۱ صفحہ ۲۵)

ترجمہ: منجملہ ان لوگوں کے جنہوں نے رسالت مآب کے زمانے میں قرآن جمع کیا تھا حضرت عثمانؓ بھی ہیں۔ ان کو مغیرہ، ابو عبد الرحمن، زربن حبیش اور ابوالاسود دہلی نے قرآن سنایا۔

(۱۷) عبد اللہ ابن مسعود - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ہی ان کو قرآن پڑھانے پر مقرر فرمایا تھا۔ سخاوی کی دستورالاعلام میں ہے۔ ابن مسعود الصحابی الجلیل الکثیر المناقب أحد القراء الأربعة عشر وعلماء الصحابة یعنی ابن مسعود جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جو بڑے کمالات کے جامع ہیں منجملہ چودہ حفاظ قرآن کے ایک یہ بھی ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں قرآن کا جو درر کیا تھا۔ اس میں شریک تھے عرفات میں کوفہ کا ایک شخص خلیفہ روم سے ملا اور کہا کہ کوفہ میں ایک شخص ہے جو اپنے یاد سے قرآن پڑھاتا ہے

لہ استیعاب۔ لہ استیعاب ج ۱ صفحہ ۲۵ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۱۱۱ استیعاب ج ۱ صفحہ ۲۵ بخاری مناقب۔

یا نقل کرتا ہے اس پر خلیفہ دوم نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا وہ کون شخص ہے۔ اس نے عرض کیا ابن مسعود اس نام کو سن کر خلیفہ دوم کا غصہ فرو ہو گیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ دوم کے عہد میں قرآن کے یاد سے پڑھانے کا رواج نہ تھا بلکہ دیکھ کر پڑھا جاتا تھا یا محض یاد سے قرآن لکھنے کا رواج نہ تھا۔

(۱۸) سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔ انھیں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں قرآن کا علم مقرر کیا تھا۔ مؤرخین نے حفاظ قرآن کی فہرست میں ان کا نام بھی لکھا ہے۔

(۱۹) أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَصَّ الْأَمَامُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ عَلِيَّ حِفْظِهِ الْقُرْآنَ وَاسْتَدَلَ عَلَى ذَلِكَ بِدَلِيلٍ لَا يُرَدُّ وَهُوَ أَنَّهُ صَحَّ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَوْمَ الْقَوْمِ أَفْرَاهُمُ لِكِتَابِ اللَّهِ وَأَكْثَرُهُمْ قُرْآنًا وَتَوَاتَرَ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَدَّمَ لِلْإِمَامَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِيَأْمُرْ بِأَمْرٍ يَخَالَفُهُ بِلَا سَبَبٍ.

ترجمہ :- ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امام ابو الحسن اشعری نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حافظ قرآن ہونے کی تصریح کی ہے کیونکہ آنحضرت نے قانون مقرر کیا تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ نماز میں امام ہو۔ پھر آنحضرت نے دیگر ایسے صحابہ کی موجودگی میں کہ جنہیں قرآن یاد تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز کا امام مقرر فرمایا تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پورا قرآن یاد تھا۔

(۲۰) عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَرَضَ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مِنَ الَّذِينَ حَفِظُوا الْقُرْآنَ أَجْمَعَ بِلَا شَكٍّ عِنْدَنَا وَقَدْ أَبْعَدَ الشَّعْبِيُّ فِي قَوْلِهِ أَنَّهُ لَمْ يَحْفَظْهُ قَالَ يَحْيَى بْنُ أَدَمَ قُلْتُ لَأَبِي بَكْرٍ بِنِ عِيَّاشٍ يَقُولُونَ أَنَّ عَلِيًّا لَمْ يَقْرَأِ الْقُرْآنَ فَقَالَ أَبْطَلْ مَنْ قَالَ هَذَا.

ترجمہ :- علی ابن ابی طالب حضرت علی نے تمام قرآن آنحضرت سے پڑھا اور منجملہ ان کے جنہیں پورا قرآن یاد تھا یہ بھی ہیں۔ امام شعبی کو اس شخص پر نہایت ہی حیرت ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علی کو پورا قرآن یاد نہ تھا۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر بن عیاش سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو قرآن یاد نہ تھا کہا کہ یہ قول باطل ہے۔

ترمذی کی جلد ثانی میں ہے کہ حضرت علی نے آنحضرت سے اپنے سو حافظ کی شکایت کی اور عرض کیا کہ قرآن مجھے یاد نہیں رہتا۔ آنحضرت نے ایک دعا بتلائی۔ بعد میں حضرت علی پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پہلے چار آیت بھی یاد نہیں ہوتی تھیں اور اب اس دعا کے پڑھنے کے بعد سے چالیس آیات اس طرح سے نہایت عمدہ یاد ہو جاتی ہیں کہ گویا قرآن میرے سامنے رکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

حضرت علی نے قرآن یاد کیا تھا۔

(۲۱) عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ بَسْنِدٍ صَحِيحٍ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ عَلَى عُمَرَ أَرْبَعِ

مَرَّاتٍ ۚ أَبُو الْعَالِيَةِ كَهْتِهِ هِيَ فِي مِثْلِ عُمَرَ كَوَاجِبِ الْقُرْآنِ سُنَّيَا۔

(۲۲) ظَلَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۲۳) سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۲۴) حَذِيفَةُ بْنُ الْيَمَانِ رَضِيَ اللَّهُ

عَنْهُ (۲۵) أَبُو بَرِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۲۶) عَبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۲۷) أَبُو عَلِيٍّ مَعَاذِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

(۲۸) مَجْعُ بْنُ حَارِثَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۲۹) فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔

(۳۰) أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَفِظَ الْقُرْآنَ وَعَرَّضَهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ (مفتاح ج ۱ ص ۳۵۵)

ابو موسیٰ اشعریؓ۔ تمام قرآن حفظ کیا اور آنحضرت کو سنایا۔

(۳۱) عُمَرُ بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۳۲) سَعْدُ بْنُ عِبَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۳۳) عَبْدِ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ (۳۴) الْوَالِيُّ بْنُ النَّصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۳۵) عَبْدِ اللَّهِ بْنُ ذَوَالْجَوَادِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۳۶) عُبَيْدُ

بْنِ مَعَاوِيَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ (۳۷) أَبُو زَيْدٍ فَهْرَسْتِ بْنِ نَدِيمٍ۔

ان کے علاوہ اُس وقت کے حفاظ کا پتہ اس سے چلتا ہے اور صحابہ میں حفاظ قرآن کی تعداد پر

اس سے کافی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سرداران لشکر کو لکھا کہ ہر شخص اپنے

اپنے یہاں کے حفاظ قرآن کی فہرست مرتب کر کے بھیجے تاکہ میں ان کے مرتبہ کے موافق بیت المال

سے ان کا وظیفہ مقرر کروں اور بلاد اسلامیہ میں انہیں تعلیم قرآن کے لئے بھیجوں۔ حضرت موسیٰ اشعری

نے تنہا اپنے یہاں سے تین سو سے کچھ اوپر کی فہرست دی۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۱)

نِسَامُ (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۳) ام سلمہ رضی اللہ

عنها (۴) ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا۔ ابو داؤد میں ہے۔ وکانت قد قرأت القرآن (باب

امامة النساء) یعنی ام ورقہ نے پورا قرآن پڑھا تھا۔

نمبر ۱۹ سے آخر تک کے نام۔ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں اور علامہ عینی نے شرح بخاری

میں اور اتقان میں علامہ سیوطی نے مع حوالہ نقل کئے ہیں۔ علامہ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں۔

فَأَمَّا مَنْ حَفِظَهُ كُلَّهُ مِنْهُمْ وَعَرَّضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنْ جَمَاعَةٍ مِنْ جُبَّاءِ أَصْحَابِ

عُمَرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَنَ بُوَالْقُرْآنِ وَأَنْتَصَبُوا لِأَدَائِهِ فَكَانَ مِنْ جَمَلَتِهِمْ سَبْعَةٌ أُمَّةٌ

أَعْلَامٌ وَادَّتْ عَلَيْهِمْ أَسَانِيدُ الْقُرْآنِ۔ یعنی صحابہ میں جن کو پورا قرآن یاد تھا اور آنحضرت کو بھی

انہوں نے تمام سنایا تھا وہ جلیل القدر صحابہ کی ایک ایسی جماعت تھی جو قرآن کو پڑھاتی تھی منجملہ

اُن ہی کے قرار سب سے بھی ہیں جن کی سند سے آج تک قرآن تمام بلادِ اسلامیہ میں پڑھایا جاتا ہے۔  
 علامہ ذہبی کے جو فن تاریخ خصوصاً رجال کے بڑے ماہر ہیں اور صحابہ کے حالات سے بڑے  
 واقف ہیں اور تذکرۃ الحفاظ ان ہی کی ہے۔ اس کلام سے ثابت ہوا کہ صحابہ میں بہت سے صحابی  
 وہ تھے جو قرآن کے حافظ تھے اور محض حافظ ہی نہ تھے بلکہ آنحضرت کو بھی پورا قرآن سنایا تھا اور پھر  
 انہی سے تمام دنیا میں قرآن شائع ہوا آج جو قرآن پڑھایا جاتا ہے یہ وہی ہے جو ان صحابہ نے پڑھایا  
 ہے اور ان کو آنحضرت نے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام قرآن آنحضرت ہی کے عہد میں  
 مرتب تھا۔ امام بخاری وغیرہ نے جو انس سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں  
 ابی بن کعب، معاذ، زید، ابو زید۔ ان چار کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا تھا اور دوسرا بیان انس  
 سے یہ بھی ہے کہ ان چار نے قرآن جمع کیا اور بجائے ابی کے بعض نے انس سے ابوالدردار کا نام نقل  
 کیا ہے۔ یہ بیان ظاہر میں ذہبی کے اس بیان کے مخالف ہے کہ صحابہ میں علاوہ دیگر صحابہ کے ایک  
 جماعت صحابہ کی ایسی تھی جنہیں پورا قرآن حفظ تھا اور انہوں نے آنحضرت کو پورا قرآن سنایا ہی تھا،  
 جن میں سات قرار سب سے بھی ہیں اور نیز ہماری اس تحقیق کی بھی مخالف ہے کہ صحابہ میں حفاظ قرآن  
 بہت تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ روایت انس کی صحیح ہے مگر یہ روایت اس تحقیق کے مخالف  
 ہرگز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس روایت میں، یہ ہوتا کہ ان چار نے قرآن حفظ کیا تھا تو البتہ مخالف تھے مگر  
 اس روایت میں تو یہ ہے کہ ان چار نے جمع کیا تھا اور جمع کے معنی لغت میں یکجا اور اکٹھا کرنے کے  
 ہیں۔ بخاری میں ہے۔ **إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ تَأَلَّفُ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا قَرَأَهُ فَأَتَّبِعُ قُرْآنَهُ**  
**فَإِذَا جَمَعْنَاهُ وَالْفَنَاءُ فَاتَّبِعَ قُرْآنَهُ أَيْ مَا جَمَعَهُ فِيهِ وَيُقَالُ لَيْسَ لِشِعْرِهِ قُرْآنٌ أَيْ تَأَلَّفُ۔** اسی  
 لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو جامع القرآن مشہور کرتے ہیں۔ انس کے اس کلام کا حاصل صرف  
 یہ ہے کہ ان چار نے عہد مبارک میں قرآن کو لکھ کر جمع کیا تھا۔ جیسا اسی حدیث میں انس کے اس کہنے  
 سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو زید کے مرنے کے بعد چونکہ ان کی اولاد میں کوئی نہ تھا اور میں اُن کا رشتہ دار  
 تھا اس لئے اُن کا قرآن مجھے ترکہ میں بلا اور میں اس کا وارث ہوا۔ حدیث بخاری کے الفاظ یہ ہیں :-  
**قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعْ الْقُرْآنَ غَيْرَ أَسْبَعَةَ ابْنِ الدَّرْدَاءِ وَمَعَاذُ بِنِ**  
**بَجْبَلٍ. وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو سَرِيدٍ. قَالَ دَحْنٌ وَرِثْنَاهُ۔** یعنی آنحضرت کا انتقال ہوا اور ان چار کے  
 سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا تھا۔ ابوالدردار، معاذ، زید، ابو زید۔ اور ابو زید کے قرآن کا وارث  
 میں ہوا جو انس کے اس کلام سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان چار کے سوا کسی کو قرآن یاد نہ تھا اُن کو انور ذیل  
 پر غور کرنا لازم ہے تاکہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوں اور اس فحش غلطی سے محفوظ رہیں۔

(۱) جمع کے معنی ضم اور تالیف کے ہیں۔ جو کتابت کے ہم معنی ہے نہ حفظ اور یاد کے البتہ حفظ

پر جمع کا استعمال مجاز ہے نہ حقیقت اور اصل یہ ہے کہ ہر لفظ کے معنی اول حقیقی لیں گے۔ ہاں کسی وجہ سے حقیقی معنی کا لینا صحیح نہ ہو تو دوسرے مجازی معنی لے سکتے ہیں یہاں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ معنی حقیقی جمع کے نہ لیں۔ بلکہ معنی حقیقی نہ لینے میں یہ روایت غلط ہوگی۔ کیونکہ حفاظ قرآن صحابہ میں چار کے سوا بہت تھے جیسا کہ علامہ ذہبی بیان کرتے ہیں۔

(۲) اگر جمع کے معنی یہاں حفظ کے لئے جائیں اور کہا جائے کہ حافظ قرآن چار تھے تو اس وقت میں انس کا یہ کہنا غلط ہوگا جیسا ہمارے اس بیان سے واضح ہے اور یہ خیال ممکن ہے کہ انس کو ان چار کے سوا کی یاد کا علم نہ ہو۔ اور انس نے اپنے علم کے مطابق ان چار کا نام لیا ہو تو اس کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ انس کے اس بیان میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ انس کو اپنی معلومات کی حکایت اور بیان مقصود ہے نہ ایک انجبات کا ظاہر کرنا مقصود ہے اور اگر اس قسم کے معنی کی مورخ کے کلام میں گنجائش ہو اور تاریخ کے یہی معنی ہوں کہ مورخ اپنے علم اور معلومات کو ظاہر کرے تو پھر کبھی کسی مورخ سے تاریخی غلطی ممکن نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ روایت غلطاً ایم کی جاوے اس لئے کہ حفاظ قرآن کا چار سے زیادہ ہونا ایسا یقینی اور مضبوط ہے کہ اس میں کسی قسم کے احتمال اور شک شبہ کی راہ باقی نہیں۔

(۳) انس کا ابو زید کے متعلق یہ کہنا دَٰخِنٌ وَرِثْنَاہُ یعنی ہم اُس کے قرآن کے وارث ہوئے اس امر کی روشن شہادت ہے کہ انس کی غرض یہ ہے کہ ان چاروں نے عہد مبارک میں تمام وکمال قرآن لکھ کر جمع کیا تھا اور ابو زید کے لکھے ہوئے قرآن کے انس وارث ہوئے۔ کیونکہ انس ابو زید کے رشتہ دار تھے۔ اس لئے ابو زید کا لکھا ہوا قرآن انس کو ملا اور ان کے ترکہ کے وارث انس ہوئے اور یہ اس لئے کہ ابو زید کے بعد کوئی اُن کا وارث انس سے قریب تر نہ تھا۔ انس کے اس کلام کے اگرچہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انس ابو زید کے مال کے وارث ہوئے نہ قرآن کے لیکن اس صورت میں انس کا یہ کلام پہلے کلام سے بے تعلق ہوگا اور اس جملہ کو پہلے کلام سے کوئی رابطہ نہ ہوگا اور وراثت قرآن اگر مراد ہو تو اس میں چاروں کے لکھنے پر شہادت ہوگی اور جمع کے معنی کی توضیح ہوگی کہ اس کے معنی لکھنے کے ہیں نہ یاد کے۔ اور انس کا یہ مقصود ہوگا کہ ان چاروں نسخوں میں سے ایک مجھ تک بھی پہنچا تھا جس کو میں نے بچشم خود دیکھا جس سے غرض روایت کی توثیق ہے۔ پھر ظاہر اور مرتبط کلام اور معنی سے گریز کر کے ایسے معنی لینا جو بے تعلق اور غیر مفید ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں۔

(۴) ابی بن کعب، ابن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ اُن حفاظ میں ہیں جن کا نام حفاظ کی فہرست میں سنہرے حروف میں موٹے قلم سے سر فہرست تھا۔ مدینہ والوں میں کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جو ان کے اس کمال سے ناواقف ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان

دے دیا تھا کہ پہلے انھیں سے لوگ قرآن پڑھیں اور اُقرأنا اُنّی کا خطاب بھی آپ عطا فرما چکے تھے اور اُنّی کے اس خطاب سے بھی کوئی ناواقف نہ تھا۔ انسؓ جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم اور ہر وقت کے حاضر باش تھے تعجب ہے کہ اُنّی سے واقف نہ ہوں اور ایسا کہیں کہ ان چاروں کے سوا کوئی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں حافظِ قرآن نہ تھا۔

(۵) انسؓ کا یہ بیان مختلف ہے۔ قتاوہ نے اپنی روایت میں چار شخصوں کا نام لیا ہے ان میں ابی ہیں لیکن ثابت کی روایت میں بجائے ابی کے، ابوالدرداء ہیں۔ دوسرے قتاوہ نے اپنی روایت میں انھیں چار میں حصر نہیں کیا ثابت نے حصر کیا ہے۔ دونوں روایتیں بخاری میں موجود ہیں۔ باقی انسؓ کا ان چار کو خاص کرنا اور یہ کہنا کہ انہی چار نے قرآن لکھا تھا حالانکہ اور بھی صحابہ ایسے تھے جنہوں نے پورا قرآن لکھا تھا۔ اس کی مفصل بحث آئندہ معلوم ہوگی۔

## قرآن کی کتابت

یہاں تین امر قابلِ بحث ہیں۔ (۱) قرآن کے لکھوانے میں جن امور کی ضرورت تھی وہ آکات اُس وقت تھے یا نہیں (۲) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ امر ضروری تھا یا نہیں کہ مسلمان قرآن کو تمام وکمال لکھتے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود تمام قرآن کو لکھواتے (۳) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس وقت کے مسلمانوں نے قرآن کو لکھا یا لکھوایا تھا یا نہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آکات کتابت کا ہونا۔ کتابت میں دو امر کا ہونا ضروری پہلا امر ہے۔ اول ایسے اشخاص جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں دوسرے وہ شے جس پر لکھا جاسکے۔ عرب میں گو کتابت کا فن کم تھا اور اس کا زیادہ رواج نہ تھا لیکن اہل مکہ میں کچھ لوگ اس کو ضرور جانتے تھے اور اور جگہوں سے یہاں اس کا رواج زیادہ تھا۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۴ میں ہے کہ اہل مکہ کتابت جانتے تھے۔ اور اہل مدینہ واقف نہ تھے۔ علامہ شبلی کے الفاروق میں ہے کہ صرف قریش میں ۱۷ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ غرض مسلمانوں میں بہت سے وہ لوگ تھے جو اسلام کے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہاں طبقات ابن سعد سے بعض کے نام ہم بھی لکھتے ہیں۔

(۱) ابونیس بن حیر اسمہ عبدالرحمان یکتبُ بِالْعَرَبِیَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ وَكَانَتْ الْكِتَابَةُ فِي الْعَرَبِ قَلِيلًا۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۲۴۔ یہ اسلام کے پہلے ہی سے لکھنا جانتے تھے حالانکہ اُس وقت اس کا رواج کم تھا۔

(۲) دکان اُنّی یکتبُ فی الجاہلیۃ قبل الإسلام وکانت الکتابۃ فی العرب قلیلاً۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۵۹۔ اُنّی، اسلام کے پہلے سے لکھنا جانتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۳) سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ يَكْتُبُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَتْ الْكِتَابَةُ قَلِيلًا طَبَقَاتٍ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۷۷

سعد اسلام کے قبل سے لکھنا جانتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۴) شَهْرُ بْنُ سَعْدٍ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَتْ الْكِتَابَةُ فِي الْعَرَبِ قَلِيلًا...

طبقات قسم ثانی ج ۲ ص ۸۳ شہر اسلام کے پہلے سے لکھتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۵) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ طَبَقَاتٍ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۸۷ ابن زید اسلام

کے پہلے سے لکھتے تھے۔

(۶) ادس بن خولی یکتب بالعبریة قبل الإسلام۔ طبقات قسم ثانی ج ۳۔ ادس اسلام

کے قبل سے لکھنا جانتے تھے۔

(۷) الْمُنْذِرُ بْنُ عَمْرٍو يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۸۸ منذر

اسلام کے قبل سے لکھنا جانتے تھے۔

(۸) أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۹۱۔

اسید کفر ہی کے وقت میں لکھنا جانتے تھے۔

(۹) سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۱۲۲

سعد کفر ہی میں لکھ لیتے تھے۔

(۱۰) رَافِعُ بْنُ مَالِكٍ مِنَ الْكَمَلَةِ وَكَانَ الْكَامِلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الَّذِي يَكْتُبُ وَيُحْسِنُ الْعَوْمَ

وَالرَّمَى وَكَانَ رَافِعٌ كَذَلِكَ وَكَانَتْ الْكِتَابَةُ فِي الْقَوْمِ قَلِيلًا۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۱۲۴

علاوہ ان دس کے اور بھی صحابہ میں بہت سے تھے جو لکھنا اسلام کے پہلے سے جانتے تھے جن میں خلفاء

اربعہ بھی ہیں۔ اب اس کے بعد یا مگر بھی قابل لحاظ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سب میں اول جو

نازل ہوا تھا اس میں یہ بھی ہے۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔

یعنی خدا ایسا کریم ہے جس نے تحریر کے ذریعہ سے وہ باتیں بتلائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ یہاں

مسلمانوں کو سب میں پہلے اس انعام پر توجہ دلائی گئی کہ ان کو لکھنا بتلایا جس سے صاف ظاہر ہے

کہ انسان کے تمام کمالات میں یہ اعلیٰ اور مقدم ہے اور اسی آیت سے یہ بھی قطعاً ثابت ہے کہ

مسلمانوں کو سب میں پہلے اسی کو حاصل کرنا چاہیے اور وہ تحریر کو اوروں سے پہلے حاصل کریں۔

ہجرت کے قبل مکہ میں مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل کی یا نہیں اگرچہ تاریخی صفحات اس کے جواب

میں ساکت ہیں لیکن جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ لکھنا پڑھنا ایسا کمال ہے کہ ہر انسان میں فطرتی اس کا

ذوق اور میلان ہے اور مکہ میں ایسے آدمی خود اہل اسلام میں بھی تھے جو اس کو جانتے تھے۔ پھر ایسی صورت

۱۲۴ رافع اہل کمال سے تھے اور اس وقت کمال وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو لکھنا جانتا ہو اور پڑھنا اور تیر اندازی میں کمال رکھتا ہو۔



میں مذہب کی طرف سے بھی جب مسلمانوں کو اس کا حکم ملے تو اب ہمارے پاس کوئی سدا ایسی نہیں ہے جس کی رُو سے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ خصوصاً جبکہ خود تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے باوجود کشاکشی اور سخت رکاوٹ اور مصائب برداشت کرنے کے اپنی مذہبی امور کی کامل پابندی کی۔ جو لوگ واقعات پر اُن کے اسباب و علل کی راہ سے پہنچتے ہیں اور فی الحقیقت یہ راستہ نہایت پُر امن اور بلا خوف و خطر ہے جس سے منزل مقصود بہت قریب ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہاں یہ راستہ کھلا ہوا ہے اور یہاں سے وہ اس امر پر نہایت آسانی سے پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے مکہ کی زندگی میں ضرور ایک جماعت ان لوگوں کی تیار کی جن کو لکھنا پڑھنا آتا ہو۔ مکہ کی زندگی گو اسلام کے لئے نہایت بے اطمینانی اور خطرے کی تھی جس میں ایک لمحہ کے لئے بھی وہ بخوف اور امن میں نہ تھے اس لئے وہ اس کو اگرچہ پوری ترقی نہیں دے سکتے تھے اور نہ کسی ضابطے میں اس کو لاسکتے تھے۔ مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ بالکل وہ اس سے غافل رہے ہوں اور اس کی جانب سے بے اعتنائی کی ہو۔ اس کا پتہ ہمیں اس سے بخوبی چلتا ہے کہ مکہ میں ابتدا ہی میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ مسلمان قرآن کی تعلیم لکھ کر دیتے تھے اور لکھے ہوئے قرآن کو لوگ پڑھتے تھے۔ دیکھو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے میں موزعین لکھتے ہیں کہ ان کے بہن اور بہنوئی کو ایک صحابی لکھے ہوئے قرآن سے تعلیم دے رہے تھے۔ مگر جس وقت سے اسلام نے اپنی جگہ بدلی اور بجائے مکہ مدینہ میں اپنا دار الخلافہ قرار دیا اُس وقت سے چونکہ بتدریج اس نے امن اور اطمینان کی زندگی میں قدم رکھا۔ اور رفتہ رفتہ ان کا خوف و اندیشہ اطمینان اور امن سے بدلتا گیا اسی لئے صاحب شریعت اسلام نے یہاں پہنچ کر تعلیم کتابت کا بھی باضابطہ انتظام فرمایا اور عبداللہ بن سعید بن العاص کو جن کا خط اچھا تھا اور عمدہ لکھتے تھے اس کام پر مقرر کیا کہ لوگوں کو لکھنا بتائیں۔

غزوہ بدر میں کفار مکہ سے جن کو مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا کچھ نے تو اپنی طرف سے فدیہ دیا اور اس طرح انہوں نے رہائی حاصل کی لیکن جن کے پاس کچھ دینے کو مال نہ تھا اُن کی رہائی کے لئے یہ قرار پایا کہ ان میں جو عمدہ لکھنا جانتے ہیں اُن میں سے ہر ایک مسلمانوں کے دس دس لڑکوں کو اپنے ذمے لے اور انہیں لکھنے کی تعلیم دے اور خطاطی سکھائے۔ چنانچہ اسی تجویز کے مطابق ہر ایسے شخص نے جسے اس فن میں کمال اور ملکہ تامہ تھا اپنے ذمے دس دس بچوں کو لیا اور اس کی انہیں تعلیم دی اور انہوں نے اپنے متعلقہ کام کو انجام کو پہنچا دیا تو رہا کر دئے گئے۔ منجملہ اُن لڑکوں کے جنہوں نے اُس وقت میں خطاطی سیکھی تھی زید بن ثابت بھی ہیں۔ اور اس وقت مسلمانوں نے اس درجہ اس میں ترقی کی کہ عورتوں کو بھی لکھنے کی تعلیم دینے لگے۔ ابو داؤد میں ہے۔ عَنِ الشَّامِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ لِي الْاَتْعَلِيَيْنِ هَذِهِ رُقِيَةٌ لِنَمْلَةٍ لَمَّا عَلَّمْتَهَا الْكِتَابَةَ۔  
 (کتاب الطب) شفا عبد اللہ کی لڑکی کہتی ہیں کہ آنحضرت میرے پاس تشریف لائے اور میں حضرت حفصہ  
 کے پاس تھی اور مجھ سے فرمایا کہ تو نے اس کو نملہ زخیم کا رقیہ یعنی دعا کیوں نہ بتادی جس طرح  
 کہ اس کو لکھنا سکھا یا ہے۔ اب خیال کرو کہ آپ کے عہد ہی میں اس قدر اس میں ترقی ہوئی کہ مردوں  
 کے علاوہ عورتیں بھی اس کو جانتی تھیں اور ان میں بھی اس کا رواج ہو گیا تھا۔ اور عربی کے علاوہ بھی ...  
 دوسری زبانوں میں لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ چنانچہ انہیں زید کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عانی  
 کے لکھنے پڑھنے کے سیکھنے کو فرمایا اور سوان لوگوں کے جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دلائی  
 اور لکھنا سکھا یا تھا اور بہت سے ایسے لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے جو پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔  
 مثل علماء یہود اور نصاریٰ کے غرض کہ اس وقت مسلمانوں میں بہت بڑی جماعت وہ تھی جو بخوبی لکھ  
 پڑھ سکتی تھی اور اس میں پوری بھارت تھی۔ ابن عبد البر نے استیعاب کی پہلی جلد ص ۲۶ میں ایسے چوبیس  
 لوگوں کے نام لکھے ہیں جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے پڑھنے کا کام لیتے تھے۔ ابی بن کعب،  
 زید بن ثابت، عبد اللہ بن سعد، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، زبیر بن العوام، خالد، ابان، سعید،  
 حنظلہ، عمار، خالد بن ولید، عبد اللہ بن رواحہ، محمد بن مسلمہ، عبد اللہ بن عبد اللہ بن سلول، مغیرہ بن  
 شعبہ، عمرو بن العاص، معاویہ بن سفیان، جہم بن الصلت، معقیب بن فاطمہ، شرجیل بن حسنہ،  
 عبد اللہ بن ارقم الزہری۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا کام لیا کرتے تھے  
 اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے علاوہ بھی ایسے ہوں جو لکھنا جانتے ہوں۔ اب قرآن نہ لکھنے کے لئے یہ عذر  
 نہیں دے سکتا کہ کوئی شخص اس وقت لکھنا نہیں جانتا تھا کیونکہ اس وقت ان کی کافی تعداد تھی۔ رہا  
 آلات کتابت میں سے دوسری شے یعنی وہ چیز جس پر قرآن لکھا جاتا وہ بھی اُس وقت میں تھی یا نہیں اس  
 میں شک نہیں کہ کاغذ اُس وقت عرب میں رائج نہ تھا۔ کاغذ کے ایجاد کی ابتدا تاریخ سے معلوم نہیں  
 ہوتی مگر زیادہ مؤرخین کا خیال ہے کہ عیسوی سال کے دو سال قبل چین میں اس کا رواج پا گیا ہے اس  
 کے بعد چین ہی سے تمام دنیا میں پہنچا۔ سب سے پہلے چین سے عرب میں آیا اور فضل بن یحییٰ برمکی، یا  
 حجاج بن یوسف کی رائے سے عرب میں بنایا گیا اور پھر عرب سے دیگر بلاد میں گیا۔ بہر حال کاغذ زمانہ  
 نبوت اور خلافت راشدہ میں نہ تھا اور یہ جو فہرست ابن ندیم میں ہے کہ محمد بن اسحاق نے اپنے  
 ایک دست کے کتب خانہ میں یحییٰ بن یعمر کے ہاتھ کے کچھ نحوی مسائل کاغذ پر لکھے ہوئے دیکھے اور یہ  
 وہ مسائل تھے جن کو ابوالاسود دہلی نے جمع کیا تھا۔ اس کی نسبت اول تو محمد بن اسحاق کا یہ خیال ہے کہ  
 وہ چینی کاغذ پر تھا۔ دوسرے یہ صحابہ کے بعد میں ہے کیونکہ یحییٰ بن یعمر صحابی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اگر

۱۷ کلہ پڑیا میں ہے کہ سندھ میں کاغذ عرب میں آیا اور یہ نادر عجاج بن یوسف کا ہے۔

یہ ثابت بھی ہو جائے کہ صحابہ کے عہد میں کاغذ تھا تو وہ ہمارے لئے اور زیادہ مفید ہے جس سے کاغذ کا ہونا آنحضرت کے یا صحابہ کے عہد میں ثابت ہوگا اور اگر ان بھی لیا جائے کہ کاغذ اس وقت میں نہ تھا تو کیا اس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت کوئی دوسری شے بھی ایسی نہ تھی جو کاغذ کا کام دیتی۔ تاریخ سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ چین کے سوا دنیا میں عظیم الشان کتب خانہ عہد نبوی کے قبل اور اس وقت میں بھی تھے اور خود عرب میں بھی توریت و انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس لکھی ہوئی تھی عرب میں لکھنے کا رواج تھا۔ باہمی خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ فہرست ابن ندیم میں ہے۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ كَانَ بِمَدِينَةِ الْحَدِيثِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَيُعْرَفُ بِأَبْنِ أَبِي بَعْرَةَ جَمَاعَةٌ لَكَتُبَ لَهُ خَزَانَةٌ لَمْ أَرِ أَحَدًا مِثْلَهَا كَثْرَةً تَحْتَوِي عَلَى قِطْعَةٍ مِنَ الْكُتُبِ الْعَرَبِيَّةِ فِي النَّحْوِ وَاللُّغَةِ وَالْأَدَبِ وَالْكِتَابِ الْقَدِيمَةِ فَأَخْرَجَنِي قَمَطْرًا كَبِيرًا فِيهِ نَحْوُ ثَلَاثِمِائَةِ رَطَلٍ جُلُودٌ فَلِجَانٍ وَصِكَائٍ وَقِرْطَاسٍ مِصْرٍ وَوَرَقٍ صِينِيٍّ وَوَرَقٍ تِهَامِيٍّ وَجُلُودٍ أَدِيمٍ وَوَرَقٍ خِرَاسَانِيٍّ فِيهَا تَعْلِيْقَاتٌ مِنَ الْعَرَبِ وَقَصَائِدٌ مُفْرَدَاتٌ مِنْ أَشْعَارِهِمْ وَشَيْءٌ عَنِ النَّحْوِ وَالْحِكَايَاتِ وَالْأَخْبَارِ وَالْأَسْمَاءِ وَالْأَنْسَابِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ عُلُومِ الْعَرَبِ وَرَأَيْتُ فَايْدُلَّ عَلَيَّ أَنَّ الْخُرْعَانَ أَبِي الْأَسْوَدِ بِأَهَذَا حِكَايَةً وَهِيَ أَرْبَعَةٌ أَوْ رَاقِي أَحْسَبُهُمَا مِنْ وَرَقِ الصِّينِ تَرْجُمَتُهَا هَذَا فِيهَا كَلَامٌ فِي الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ مِنْ أَبِي الْأَسْوَدِ بِحَطِّ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ كَتَبَتْ هِيَ كَمَا أَنَّ شَخْصًا مُحَمَّدَ بْنَ حُسَيْنٍ نَامِيٍّ جَوَابِنِ بَعْرَةَ كَمَا نَامٍ سَمِيحًا مَشْهُورًا تَهَا أَوْ كِتَابُونَ كَمَا جَمْعُ كَرْنِ كَمَا بَهْتِ شَائِقُ تَهَا اس كَمَا پَاسِ اِيَا كِتَابِ خَانِ تَهَا كَمَا اس قَدَرِ كَثِيرِ كِتَابِينَ مِينَ نِي كَسِي دُوسَرِي كَمَا كِتَابِ خَانِ مِينَ نِهِسِ دِي كِهِيسِ جِن مِينَ نَحْوِ اَلْتَا اَدَبِ اَو كِتَابِ قَدِيمِ كَا حَقْدِ بِي تَهَا جَب مِينَ اس كَا كِتَابِ خَانِ دِي كِهِنِي كَا تَا اس نِي اِيَكِ صَدُوقِ كِتَابُونَ كَا اِيَا نِكَالَا جِس مِينَ قَرِيبِ چَارِسِن كَمَا كِتَابِينَ مُخْتَلَفِ اَشْيَارِ پَر لَكِهِي هُونِي تَهِيسِ۔ كِچھ تُو جِلْدِ پُر كِچھ مِصْرِي كَاغِذِ پُر كِچھ ہرن كِي جِلْدِ پُر كِچھ تِهَامِي اَو رِخْرَاسَانِي اَو رَاقِ پَر۔ ان مِينَ بَعْضِ عَرَبِ كَمَا تَعْلِيْقَاتِ تَهِي اَو بَعْضِ قَصَائِدِ مُفْرَدِ اَو كِچھ نَحْوِي مَسْأَلِ اَو كِچھ تَارِيخِ وَغِيْرَه اَو رِيحِي بِنِ يِعْمَرِ كَمَا تَه كَمَا نَحْوِ كَمَا چِنْدِ مَسْأَلِ كَاغِذِ پَر لَكِهِي هُونِي دِي كِهِي۔ غَالِبًا يِهِ چِينِ كَا كَاغِذِ تَهَا۔ اس كَمَا سَوَابِغِي يِهِ بَاتِ قَابِلِ لِحَاظِ هِي كَمَا ۳۵۰ مِينَ حِجَاجِ نِي كَاغِذِ كُو اِسْتِعْمَالِ كَا۔ اس كَمَا قَبْلِ عَهْدِ نَبُوْتِ سِي لِي كَمَا ۳۵۰ تَا كَمَا پَر تِهِيسِ چَلَا كَمَا خَلْقًا اَرَبِ نِي اِنِي وَتَقْتِ مِينَ لَكِهِنِي كَمَا دَاسَطِي كَسِي اِيَسِي شِي كِي اِيَا دَا اِسْتِعْمَالِ كَا هُو جُو زَمَانِ نَبُوْتِ مِينَ نَتَهِي بَلَكِهِي يِه مَعْلُومِ هُو تَا هِي كَمَا بَجَائِي كَاغِذِ اس وَتَقْتِ تَا كَمَا بَرَابَرِ هِي شِي مُسْتَعْمَلِ تَهِي جُو پَهْلِي سِي رَاجِ تَهِي اَو اس وَتَقْتِ عَرَبِ مِينَ اِيَسِي شِي مَوْجُودِ تَهِي جِس پَر كَاغِذِ كِي طَرِحِ لَكِهَا جَا سَكِي۔ كِيونكِه خَلِيفَةُ اَوَّلِ نِي عَهْدِ نَبُوْتِ كَمَا كِچھ هِي رُو زِلْعَدِ قُرْآنِ لَكِهُو اِيَا۔ حَضْرَتِ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَمَا پَاسِ بِي قُرْآنِ لَكِهَا تَهَا۔

۱۰۰۔ بخاری کتاب الاذان وفضائل القرآن۔

عبداللہ بن عمروؓ اور حفصہ ام المومنین کے پاس بھی تھا۔ حنظلہ کہتے ہیں کہ میں طاؤس کے ہمراہ اُس قوم پر گذرا جو قرآنوں کو سچتے تھے۔ اس پر طاؤس نے انارٹھ پڑھا۔ فاروق اعظم کے پاس بھی قرآن تھا۔ ۱۱۵ ناہیۃ الطفاوی صحابی کا یہی کام تھا کہ وہ مصحف لکھا کریں۔ ۱۱۶ ایک شخص نے قرآن میں ہر ایک آیت کے ہمراہ اُس کی تفسیر بھی لکھی۔ خلیفہ دوم نے اس مصحف کو ضائع کرادیا۔ خلیفہ موصوف نے نیز ایک اور دوسرے شخص کو دیکھا کہ قرآن باریک قلم سے لکھا ہے اُسے تنبیہ کی اور فرمایا کہ قرآن کی عظمت چاہیے۔ عقبہ بن عامر صحابی کا لکھا ہوا قرآن ابن یونس نے مصر میں دیکھا ہے۔ ۱۱۷ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک مصحف مطلقاً دیکھا تو فرمایا قرآن کی بہتر زینت تلاوت ہے۔ ۱۱۸ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مصاحف ٹکے ہوئے دیکھے تو فرمایا تمہیں یہ فریب نہ دیں خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قرآن یاد ہو۔ ۱۱۹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا مصحف کو باریک قلم سے لکھ کر چھوٹا نہ کرو۔ عبداللہ بن نافع سے حضرت ام سلمہؓ نے قرآن لکھوایا۔ ابوالدرداء صحابی کے ہمراہ خلافت عمری میں دمشق سے ایک گرو آیا تاکہ وہ اپنا اپنا لکھا ہوا قرآن، اُبی، زید، علی وغیرہ اہل مدینہ کو دکھائیں۔ ۱۲۰

اب اگر کوئی شے کا فز کے سوا عرب میں نہ ہوتی تو پھر اس قدر کثرت سے مصاحف کا لکھا جانا کیونکر ممکن تھا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں چمڑے یا کپڑے پر روغن دے کر بجائے کاغذ کے استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون مغربی نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ اب اس امر میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ عہد نبوت میں لکھنے والے اور وہ شے جس پر لکھا جائے موجود تھی اور لکھنے والے بھی ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے اور وہ مصحف بھی جن پر لکھتے تھے بکثرت ملتے تھے۔ اور یہ خیال کہ صحف اگرچہ اس وقت میں تھے لیکن عرب میں ان کا رواج نہ تھا۔ خلفاء کے زمانے میں جب فتوحات ہوئیں اور مسلمان دوسرے ملکوں میں گئے تو وہاں سے صحف لائے اور عرب میں ہوں بھی تو ممکن ہے کہ وہ اس قدر قیمتی ہوں جسے مسلمان اپنے افلاس کی وجہ سے استعمال نہ کرتے ہوں۔ گو ایک ناواقف کو یہ خیال ہو لیکن جس نے تاریخ دیکھی ہے وہ کبھی ایسا الغو خیال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خلیفہ اول نے اپنے عہد میں ابتداء ہی میں قرآن کو صحیفوں میں لکھوایا اور اُس وقت تک مسلمان کسی ایسے نئے ملک میں داخل نہیں ہوئے تھے جہاں پہلے سے اُن کی آمد و رفت نہیں تھی بلکہ اُس وقت

۱۱۵ طبقات قسم ۲ ج ۲ ص ۲۲۵ ۱۱۶ طبقات قسم ۲ ج ۲ ص ۲۲۵

۱۱۷ استیعاب قسم ۲ ج ۲ ص ۲۵۵ ۱۱۸ استیعاب قسم ۲ ج ۱ ص ۲۱۵ ۱۱۹ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ دوم کے عہد میں اس قدر رواج ہو گیا تھا کہ قرآن کے سوا تفسیر بھی لکھتے تھے اور لکھنے کے لئے کافی شے اُس وقت میں موجود تھی۔ ۱۲۰ کنز العمال ج ۱ ص ۳۱۱

۱۱۵ کنز العمال ج ۱ ص ۳۱۱ ۱۱۶ اس واقعہ سے نہایت واضح طور سے یہ امر روشنی میں آجاتا ہے کہ آنحضرت کے عہد میں بہت سے صحابہ نے قرآن لکھے تھے مگر لکھنے کے سوا آپ یاد اور حفظ کی تاکید بھی فرماتے تھے۔ کنز العمال ج ۱ ص ۱۲۳

۱۱۷ کنز العمال ج ۱ ص ۲۳۵ ۱۱۸ کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۵ -

تک انہیں ملکوں میں داخل ہوتے تھے جن میں قبل سے عربوں کی آمدورفت اور تجارت وغیرہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہجرت کے بعد سے بہت سے ملک اسلامی سایہ میں پناہ لے چکے تھے اور اب مسلمانوں کی ایسی حالت نہیں رہی تھی کہ وہ صحیفوں کی قیمت نہ رکھتے ہوں بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ میں بعض وہ بھی تھے جو بڑے مالدار تھے اور ابتدا ہی سے اسلام کے حامی اور ناصر تھے جنہوں نے تنہا مسلمانوں کی ایسی امداد کی کہ اس وقت بھی بڑے بڑے مالدار سے ناممکن ہے۔

**دوسرا امر** | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ ضروری تھا یا نہیں کہ رسول خدا اور نیز مسلمان قرآن کو پورا لکھتے۔

قرآن مسلمانوں کے اعتقاد میں آسمانی کتاب ہے جس پر ان کے مذہب کی عمارت قائم ہے۔ اسلام کا دار و مدار اور اس کی بنیاد قرآن ہے۔ یہی قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا زندہ نشان ہے اور اسلام کی حقانیت کا روشن آفتاب۔ اسلام کے احکامات اور ہدایات کا سرچشمہ اور منبع قرآن ہی ہے اور اسی کی تبلیغ کے واسطے آپ دنیا میں بھیجے گئے اور اسی کی اشاعت اور تعلیم آپ کا اصلی منصب اور کام تھا۔ اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز ہر ایک مسلمان کا فرض اولیٰ یہ تھا اور ہے کہ قرآن کی پوری اور کامل حفاظت کرے۔ کیونکہ اسلام کی موت و حیات اور اس کا بقا صرف قرآن کی حفاظت پر منحصر ہے۔ قرآن کی حفاظت اسلام کی حفاظت ہے اور قرآن کی موت اسلام کی موت ہے اور مسلمان دنیا میں جس قدر پھلے پھولے وہ قرآن کی وجہ سے۔ اگر وہ اپنے مذہب کی اشاعت کر سکتے ہیں تو قرآن کی وجہ سے اگر ان کے ہاتھ میں صداقت کا کوئی نشان ہے تو وہ قرآن ہے۔

اب ایسی صورتیں یہ ناممکن ہے کہ عہد اول کے مسلمانوں نے قرآن کی حفاظت میں کسی قسم کی کمی کی ہو اور قرآن کی حفاظت کے جو اسباب و وسائل ہیں ان میں سے کسی کو چھوڑا ہو۔ کیونکہ موافق اور مخالف دونوں کو یہ اقرار ہے اور تاریخ بھی اس پر گواہ ہے کہ اپنے مذہب کی حفاظت اور حمایت میں جو کار نمایاں مسلمانوں کے ہیں اور جان و مال، راحت و آرام کی جس قدر قربانیاں مسلمانوں نے کیں اور مزاحمت کرنے والوں کا جو مقابلہ اہل اسلام نے کیا کوئی مذہب اس کے مقابلہ میں اپنے فرزندوں میں کسی کو ایسا پیش نہیں کر سکتا جس نے مسلمانوں کی طرح سے اپنے مذہب کے لئے ایثار کیا ہو۔ اور کوئی اہل اسلام کے سامنے اس میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔

بانی اسلام کے تمام اقوال و افعال کا مجموعہ مسلمانوں نے جس طرح تیار کیا اور اس کی تنقید اور تصحیح کی کیا کوئی مذہب اسلام کے سوا بھی اپنے بانیوں کی ایسی مکمل اور منضبط تاریخ لاسکتا ہے۔ پس جس مذہب نے اپنے مذہب کے بانی کے اقوال اور افعال کی اس درجہ حفاظت کی ہو کہ اس میں وہ خود ہی اپنی تاریخ لکھ سکتے ہیں کہ اس خطے کے طور پر بھی یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ اس نے آسمانی

کتاب کی حفاظت میں کسی قسم کا قصور کیا ہوگا یا اس کا ایک حرف یا نقطہ بھی ضائع ہونے دیا گیا ہوگا۔ اب یہ امر البتہ متفق طلب ہے کہ کسی کتاب یا کلام کی کامل حفاظت اور پوری حمایت کا کیا ایسا ذریعہ ہے جو لائق اعتبار ہو اور جس پر ایسا وثوق اور اعتماد ہو سکے جس میں تمام شک و شبہات کے راستے بند ہو جائیں اور عین الیقین کے اول درجہ پر ہو۔

کتابوں وغیرہ کی حفاظت کے دو طریقے ہیں۔ اول یہ کہ ان کو سینہ کے صفحات میں جگہ دی جائے اور اس میں ان کو بند کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قرطاس میں انہیں جمع کر کے محفوظ رکھا جائے۔ اس میں مشبہ نہیں ہے کہ پہلی صورت بھی (یعنی یہ کہ کتاب لوگ یاد کر لیں) حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لیکن انسان خواہ وہ کیسا ہی حافظہ قوی اور مستحکم رکھتا ہو مگر بھول چوک سے جو انسان کے لوازمات سے اور اس کے خواہ سے ہے کبھی پاک اور بالکلید جدا نہیں ہو سکتا اور اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ تمام انسان اس میں یکساں شریک ہیں خواہ وہ نبی ہو یا ولی یا فلاسفر ہو یا عامی۔ اب میں یہاں چند واقعات ایسے لکھتا ہوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سہوا اور نسیان کا ہونا ظاہر ہو۔ اور نیز اس سے یہ نتیجہ بھی بسہولت حاصل ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کو خود سہوا اور نسیان ہوا تو ایسی حالت میں آنحضرت وحی الہی اور قرآن کو محض حافظہ کے حوالے نہیں فرما سکتے تھے یہ تو ایک معمولی شخص سے بھی بعید ہے۔ اور آپ کی شان تو نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع ہے۔

ابوداؤد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بھول ہوئی۔ ایک صحابی کے یاد دلانے پر آپ نے مسجدہ سہو کرنے کے بعد فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُوْنِي۔ تمہیں جس طرح بھول ہوتی ہے مجھ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ میں بھی انسان ہوں۔ جب مجھ سے بھول ہوا کرے یاد دلا دیا کرو۔

ایک بار صبح کی نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آیتیں درمیان سے چھوڑ دیں اور انہیں بھول گئے۔ نماز کے بعد کسی صحابی نے عرض کیا کہ فلاں فلاں آیات آپ نے نہیں پڑھیں۔ فرمایا یاد کیوں نہ دلا یا۔

بخاری میں ہے کہ ایک شخص کو مسجد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا خدا اس کو جزائے خیر دے اس نے مجھے فلاں سورت کی فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں بھول گیا تھا۔ (کتاب الشہادت)

اس کے علاوہ بے انتہا واقعات گذشتہ اور موجودہ ایسے ہیں جو انسان کی بھول چوک اور خطا کی بتیں شہادت ہیں اور جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اب جبکہ انسان کی یاد اور حافظہ متہم ہے اور پورے

لے اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ میں قرآن کے حفاظ تھے اور مسلمانوں کو اس کی ضرورت تھی اور ہے۔ ۵۲ استیعاب ج ۱ ص ۲۰

اعتماد اور وثوق کے لائق نہیں ہے تو کوئی فہمیدہ انسان محض اسی کو سند نہیں بنا سکتا اور کسی کتاب کی حفاظت کا ذریعہ تنہا اسے قرار نہیں دے سکتا۔ ہاں اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قرطاس سے بھی کام لیا جائے اور جو نقش سینہ کے صفحات پر کیا جائے وہی قرطاس پر بھی جمایا جائے۔ یہ نقش واقعی و قابل وثوق اور معتبر اور یقینی ہوگا۔ اس لئے دنیا میں ہر ملک و ملت میں عام طور سے اس کا رواج ہے کہ جب کسی شے کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے اور اس کو زیادہ مستحکم اور مضبوط اور قابل اطمینان کرنا منظور ہوتا ہے تو اس کو لکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بھی ایسے معاملات کے لکھنے کا حکم دیا ہے جن کا یاد رکھنا ضروری ہے اور ان کو محض یاد پر نہیں چھوڑا۔ قرآن میں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُتِلْتُمْ بَدِّئُوا بِالَّذِينَ أَنزَلُوا إِلَيْكُمْ كِتَابَ اللَّهِ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ**۔ اے مسلمانو! اگر تم اُدھار کا معاملہ کرو اور اُس کے ادا کے لئے ایک وقت مقرر کرو تو اس معاملے کو لکھ لو۔ اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ مسلمان لکھنا پڑھنا آنحضرتؐ کے عہد میں جانتے تھے۔ (۲) ایسی اشیاء اُس وقت موجود تھیں جن پر لکھ پڑھ سکیں۔ (۳) جن چیزوں کی حفاظت اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے اُس میں محض یاد پر بھروسہ نہ کرو بلکہ اُسے لکھ لیا کرو۔ اب مسلمانوں کو خدا ہی نے یہ حکم دے دیا کہ حفاظت کی چیزوں کو لکھو اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے یہاں معاملات دنیاوی سے بہت زیادہ دین کے معاملات کی حفاظت کی ضرورت ہے خصوصاً قرآن کی۔ تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ قرآن کو ضرور لکھو۔ اس کے سوا بھی لکھنے میں چند فائدے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ جب انسان سے بھول چوک اور خطا ممکن کیا بلکہ واقع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام انسان حافظ اور یاد میں یکساں نہیں بلکہ مختلف ہیں بعض کا حافظہ نہایت قوی اور مضبوط ہے اور بعض کا نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور بعض کا متوسط۔ اب اگر کوئی چیز محض یاد ہی پر چھوڑ دی جائے اور لکھی نہ جائے تو یاد کرنے والے کسی وقت اگر اس میں اختلاف کریں اور ہر ایک کو اپنی یاد پر پورا بھروسہ ہو تو اس اختلاف میں حکم اور اُس کا فیصلہ بجز تحریر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یا کسی شخص کو خود کسی وقت اپنی یاد میں مشبہ ہو جائے تو تحریر سے وہ اپنے مشبہ کو رفع کر سکتا ہے اس لئے بھی تحریر نہایت ضروری ہے۔

(۲) دوسرے حفظ اور یاد ایسا خزانہ اور سرمایہ ہے جس سے انسان خود فائدہ اٹھا سکتا ہے یا وہ لوگ جو اُس کے پاس ہوں اور جو اُس سے جدا ہیں یا بعد میں ہوں وہ اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے۔ کیا آج دنیا میں بے انتہا ایسے واقعات نہیں ہیں جو یاد اور حافظہ کے ساتھ ہی زمین میں مدفون ہیں اور واقفیت کے تمام ذرائع وہاں بیکار و معطل ہیں۔ اگر وہ سینہ سے نکل کر سیاہ لباس میں صفحات پر متمکن ہوتے جس پر ہر شخص کی نگاہ پڑ سکتی اور اُن کو دیکھتا تو آج کیوں وہ گناہی کے ایسے تاریک ناریں ہوتے جن

سے نکانا انسان کی قدرت سے باہر ہے اور نہ وہاں کسی قسم کی روشنی پہنچ سکتی ہے اس لئے بھی انسان کو تحریر کی سخت ضرورت ہے۔ اگر انسان کا حافظہ اور یاد ہی کامل کفالت کرتی اور اس بار کی متحمل ہوتی اور امانت کا پورا پورا حق ادا کرتی تو پھر بھی تحریر کی اس لئے ضرورت پڑتی اگر غور سے دیکھا جائے تو خط اور تحریر کی موجودگی ہی ضرورت ہے۔

اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر یہ امر نہایت ضروری اور ان کا پہلا فرض یہی تھا کہ وہ قرآن کی حفاظت کریں اور چونکہ بلا تحریر یقینی اور کامل حفاظت ناممکن ہے اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز صحابہ پر فرض تھا کہ وہ قرآن کو پورا اس طرح پر لکھواتے جس سے اس کا ہر لفظ اور نقطہ محفوظ ہو جاتا۔ اور نیز جو امور قرآن میں داخل ہیں مثلاً الفاظ یا اعراب کی صحت آیتوں کی ترتیب، سورتوں کی ترتیب یہ تمام بھی اسی طرح محفوظ رہیں جس طرح اس میں داخل ہیں۔ اب اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں تمام قرآن کو کامل اسی ترتیب سے جیسا وہ منہ لکھواتے تو ضرور سمجھا جاتا کہ انہوں نے اپنے کام میں تقصیر کی۔ اور چونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں روز قیامت تک آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپ کی رسالت عاتقہ ہے اور تمام کے لئے ہے خواہ وہ آپ کے عہد میں ہوں خواہ بعد میں ہوں۔۔۔ قیامت تک جو ہوں گے ان تمام کے لئے آپ کی نبوت ہے قرآن میں ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (پارہ بائیس سورہ سبار کو ع ۳) یعنی ہم نے تم کو تمام خلق کے لئے نبی ٹھہرایا اور یہ اسی وقت ہوگا کہ آپ اپنے عہد کے اور نیز تمام ان لوگوں کے لئے جو آپ کے بعد قیامت تک ہوں نبی ہوں ورنہ آپ کے بعد میں کوئی نبی ہو تو پھر اس نبی کے عہد کے لوگوں کے آپ نبی نہ ہوں گے یعنی تمام خلق کے نبی نہ ہوں گے۔ اب ضرور آپ کی تبلیغ بھی عام ہونی چاہیے۔ اور آپ پر فرض ہے کہ قیامت تک کے لوگوں کو آپ تبلیغ کریں اور خدا کا حرف حرف ان تک پہنچا دیں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ قرآن بعینہ اپنے بعد محفوظ چھوڑیں چونکہ قرآن کا تمام و کمال لکھوا کر اپنے بعد میں چھوڑنا بھی تبلیغ کا جز تھا اس لئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس کام کو ویسے ہی چھوڑا ہو اور انجام نہ دیا ہو اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ قرآن کا لکھوانا واقعی اس کی حفاظت کی بہتر صورت ہے لیکن رسول خدا کو اس کا خیال نہ ہوا ہو تو اس کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معاملہ فہمی اور دوراندیشی اور فہم و فراست ایسی نہ تھی جو آپ ایسی موٹی اور کھلی ہوئی بات کو بھی نہ سمجھتے بلکہ یہ امر مخالفین کو بھی مسلم ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر اور مصلح اور دوراندیش تھے۔ اس کے سوا بھی ہم آپ کے عہد کی بہت سی ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ان امور کو لکھوا یا جن کی احتیاط اور استخفاظ آپ کو مقصود تھا۔ جس طرح صدقہ کے احکام حضرت علیؓ کو لکھوا دیئے عمال کو جب کسی جگہ روانہ فرماتے تو ضروری



ہدایات لکھوادیتے۔ آخر وقت میں بھی آپ نے کچھ لکھوانا چاہا تھا تو کیا قرآن کو آپ فروری خیال نہیں فرماتے تھے۔

**تیسرا امر** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز آپ کے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پورا قرآن لکھا تھا یا نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے لکھنا پڑھنا آپ کو نہیں آتا تھا اس لئے یہ یقینی ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے قرآن نہیں لکھا اور نہ خاص اپنے لئے قرآن کا کوئی نسخہ لکھوایا۔ آپ اگر کوئی نسخہ لکھواتے تب بھی آپ اُس سے متمتع نہیں ہو سکتے تھے۔ لکھے ہوئے سے منتفع وہ ہو سکتا ہے جو پڑھ سکتا ہو۔ اب ایسی صورت میں اگر آپ اپنے لئے قرآن لکھواتے وہ بیکار ہوتا جس سے آپ کی شان ارفع تھی۔ تاریخ سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد مترکات میں قرآن کا کوئی نسخہ چھوڑا ہو یا آپ کے پاس کوئی قرآن لکھا ہوا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ قرآن جو آسمانی کتاب ہے اور قیامت تک کے لئے تمام لوگوں کا دستور العمل اور چشمہ ہدایت ہے اس کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ محفوظ رہے اور اُس کی یہی صورت تھی کہ جس وقت جو آیت نازل ہو اسی وقت آپ اُسے بعینہ لکھا دیں اور اس آیت کو اسی جگہ لکھائیں جہاں کی وہ آیت ہے اور جو لکھے پڑھے ہیں وہ اُسے اسی طور سے لکھیں جس طرح سے آپ فرمائیں قرآن اور تاریخ اور تمام کتب احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا اسی وقت آپ صحابہ سے اُن افراد کو طلب فرماتے جو لکھنا جانتے تھے اور اُن کو وہ آیت لکھا دیتے اور جب وہ لکھ لیتا تو دوبارہ بھی پھر اُسے اُس سے سُن لیتے اور وہ صحابی دوسروں کو لکھا دیتا اور اس طرح اکثر صحابہ اُس سے نقل کر لیتے بلکہ یہ بات قرآن ہی سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے تمام قرآن لکھوایا اور مخالفین کو بھی اس کا اقرار تھا۔ قرآن پاک میں ہے۔ قَالُوا سَاطِرُ الْأَوَّلِينَ اَكْتَبَهَا فِي سُمِّيَ عَلَيْهِ بُكْرَةٌ دَاصِلًا۔ (سورہ فرقان۔ رکوع ۱۹)۔ یعنی یہ قرآن اگلوں کے قصبے ہیں جس کو کو آنحضرت نے لوگوں کو لکھوایا ہے اور صبح و شام لوگ آپ سے لکھتے ہیں اور پھر اُس کو سناتے ہیں۔ مجمع الزوائد میں ہے :-

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كُنْتُ اَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ أَخَذَتْهُ بِرَحَاءٍ شَدِيدَةٍ وَعَرَقَ عَرَقًا شَدِيدًا مِثْلَ الْجَمَانِ ثُمَّ سَرَى عَنْهُ فَكُنْتُ أَدْخُلُ عَلَيْهِ بِقِطْعَةٍ الْكِتْفِ أَوْ كِسْرَةٍ فَأَكْتُبُ وَهُوَ يَلِي عَلِيَّ فَمَا أفرغَ حَتَّى تَكَادَ رَجُلِي تَنْكِسِرُ مِنْ ثِقَلِ الْقُرْآنِ حَتَّى أَقُولَ لَا أَمَشِي عَلَيَّ رَجُلِي أَبَدًا فَإِذَا فَرَغْتُ قَالَ أَفَرغَ فَأَقْرَأَهُ فَإِنْ كَانَ فِيهِ سَقَطٌ أَقَامَهُ ثُمَّ أَخْرَجُ بِهِ إِلَى النَّاسِ۔ (مجمع الزوائد۔ ج ۱ ص ۶)

ترجمہ :- زید بن ثابت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کو مجھ سے لکھاتے تھے۔ نزول وحی کے وقت آپ کو نہایت گرانی ہوتی۔ موتی کی طرح پسینہ چہرے سے نمودار ہوتا اور بہت پسینہ آتا۔ جب وحی ختم ہو جاتی میں شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہوتا۔ آپ بتلاتے جاتے اور میں لکھتا۔ مجھے بھی اس کی اس قدر گرانی محسوس ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ میرا پیر ٹوٹا جا رہا ہے اور میں اپنے پیروں سے اب پل نہ سکوں گا۔ جب میں لکھ لیتا تو آپ فرماتے کہ اسے ساؤ میں پڑھتا اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی اس کی اصلاح فرماتے۔ پھر اسے میں لوگوں میں لاتا۔

زید کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھواتے اور اس میں اس قدر اہتمام کرتے کہ دوبارہ سنتے۔ اگر اس میں غلطی ہوئی اصلاح کرتے۔ پھر اسے زید صحابہ میں لے جاتے اور چونکہ زید کا یہ لکھنا محض یادداشت کے لئے ہوتا تھا نہ حفاظت اور جمع کے لئے اس لئے وہ اُس وقت ہڈی وغیرہ پر یادداشت کے طور سے لکھ لیتے البتہ حفاظت کے لئے جو صحابہ لکھتے تھے وہ قرطاس پر لکھتے تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ مَا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَدْعُوا فَلَنَا فِجَاءً وَمَعَهُ الدَّوَاةُ وَاللُّوحُ أَوِ الْكِتَفُ فَقَالَ الْكُتُبُ. (بخاری)

بخاری میں برابر سے روایت ہے جب قرآن کی یہ آیت (الایستوی القاعدون الخ) نازل ہوئی تو آنحضرت نے فرمایا۔ فلاں لکھنے والے کو بلاؤ وہ شخص مع دوات اور شانہ کی ہڈی یا تختی کے حاضر ہوا۔ فرمایا اس آیت کو لکھو۔

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہونے کے بعد اسے یادداشت کے طور پر لکھا دیتے تھے جسے وہ تختی وغیرہ پر لکھ کر یادداشت قائم کر لیتے تھے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ جس شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لئے لکھتے ہیں وہ تختی پر نہیں لکھتے۔

قَالَ عُمَانُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّورُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَى بَعْضَ مَنْ يَكْتُبُ فَيَقُولُ ضَعُوا هَذَا فِي الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذَكَّرُ فِيهَا كَذَا كَذَا. (اتقان۔ عن احمد۔ ابی داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ترجمہ :- اتقان میں مسند امام احمد بن حنبل بن ابی داؤد۔ جامع ترمذی۔ سنن نسائی۔ ابن حبان۔ مستدرک حاکم سے نقل ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سورتیں قرآن کی نازل ہوا کرتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ ان لوگوں سے جو قرآن لکھتے تھے بعض کو بلا کر فرماتے۔ ان آیتوں کو فلاں سورت میں لکھو۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن برابر صحابہ لکھتے تھے اور جس وقت قرآن نازل ہوا رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو طلب فرماتے جو قرآن لکھتے تھے اور اسی وقت انھیں لکھوادیتے اور یہ بھی بتلادیتے کہ یہ آیت فلاں سورت کی فلاں مقام کی ہے اور حسب ارشاد صحابہ اُسے اسی ترکیب سے لکھ لیتے تھے۔ حضرت عثمان کے بیان سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مستمرہ تھی کہ قرآن کا جب کوئی حصہ یا آیت نازل ہوتی فوراً بلا توقف اُسے لکھادیتے اور اس کی ترتیب۔ بھی بتاتے اور صحابہ میں جو قرآن لکھتے تھے وہ اُسے اسی وقت لکھ لیتے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ میں ایک ایسی جماعت تھی جو قرآن لکھتے تھے اور اس طریقہ سے آپ نے پورا مرتب قرآن لکھا دیا اور صحابہ نے اُسے لکھا اور یہ پورا مرتب قرآن ان صحابہ کے پاس موجود تھا جو قرآن کو تھوڑا تھوڑا حسب نزول لکھتے جاتے تھے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَكْتُبُوا عَنِّي شَيْئًا إِلَّا الْقُرْآنَ  
فَمَنْ كَتَبَ عَنِّي شَيْئًا سِوَا الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُوهُ (دارمی و مسلم عن ابن مسعود)

ترجمہ:- دارمی میں ابوسعید اور مسلم میں ابن مسعود سے روایت ہے۔ آنحضرت نے فرمایا قرآن کے سوا مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ اگر کسی نے قرآن کے سوا مجھ سے کچھ لکھا ہو تو مٹا دے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قرآن لکھواتے تھے اور صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے لکھتے تھے اور یہ لکھا ہوا ان کے پاس محفوظ تھا۔ اور یہاں سے یہ امر بھی بخوبی روشن ہو گیا کہ وحی کے کاتب وہی لوگ کہلاتے تھے جو قرآن کو اپنے لئے التزام سے لکھتے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی کہ قرآن کے سوا آپ سے اور شے کے لکھنے کی عام طور سے ممانعت فرمادی۔ یہ اس لئے کہ ممکن تھا کہ غیر قرآن کو غلطی سے لوگ قرآن سمجھ لیں اور اس طرح وہ قرآن سے مخلوط ہو جائے اور غیر قرآن کو بھی قرآن سمجھ کر قرآن میں لکھ لیں اور اس میں پوری احتیاط اسی وقت ہو سکتی تھی جب قرآن کے علاوہ اُسے لکھنے کی اجازت ہی نہ ہو اور لوگ اس کے سوا آپ سے لکھیں ہی نہیں۔ چنانچہ مزید احتیاط اور دور اندیشی آپ نے ایسا ہی کیا کہ قرآن کے سوا لکھنے کی ممانعت فرمادی اور اس میں اس قدر سختی اور تاکید فرمائی کہ اگر کسی نے کچھ قرآن کے علاوہ لکھا ہو تو وہ اُسے مٹا دے۔

عَنْ أَبِي لُفْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَكَتَبْتَ لَنَا نَائِلًا لَا نَحْفَظُ فَقَالَ لَا وَلَكِنْ نَجْعَلُهُ  
قُرْآنًا وَلَكِنْ أَحْفَظُوا عَنَّا كَمَا حَفِظْنَا كُنْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (دارمی)

ترجمہ:- ابو لفرہ نے ابوسعید صحابی سے کہا جو روایت کرو اُسے لکھا دیا کرو کیونکہ ہمیں یاد نہیں رہتا۔ ابوسعید نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیا میں اسے قرآن بنا دوں یعنی قرآن لکھا جاتا ہے اُسے بھی قرآن کی طرح لکھاؤں تم بھی یاد کرو جس طرح ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا۔

یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ قرآن لکھتے تھے اور قرآن کے سوا کے لکھنے کا صحابہ میں رواج نہ تھا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

قرآن کے لکھانے میں کبھی تو یہ ہوتا کہ جو آیت نازل ہوتی آپ لکھنے والوں سے کسی کو بلا کر یا دوست کے طور سے اُسے لکھا دیتے اور وہ دوسروں کو لکھا دیتا اور کبھی خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے اور لکھنے والے آپ کے گرد حلقہ کئے ہوتے اور لکھتے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكْتُبُ إِذْ سَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْمَدِينَةِ تَفْتَحُ أَوَّلًا قُسْطَنْطِينِيَّةٌ أَوْ رُومِيَّةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ مَدِينَةُ هِرَقْلَ - (دارمی مشکا)

ترجمہ :- دارمی میں ابن عمرو سے ہے وہ کہتے ہیں ایک وقت ہم لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے لکھ رہے تھے۔ اس میں ایک نے دریافت کیا کہ قسطنطنیہ اور رومیہ سے پہلے کون فتح ہوگا۔ فرمایا پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ جاتے اور آپ قرآن بتاتے اور صحابہ لکھتے کیونکہ قرآن کے سوا تو لکھنے کی ممانعت تھی اب لامحالہ حلقہ باندھ کر قرآن ہی لکھتے ہوں گے نہ دوسری شے۔ طبقات القراء میں علامہ فتویٰ لکھتے ہیں:

اعلم ان كلام الله بلغه النبي صلى الله عليه وسلم كما سمعه من غير زيادة ولا نقص واملاهُ على كتاب الوحي لفظاً ومعنى فنعمت الرسالة فمن الصعابة من حفظ سوراً من نبي الله تلقيناً ومنهم من حفظ املاءاً ومنهم من حفظه من رفيقه ثم عرضه على الرسول ومنهم من حفظ من رفيقه ولم يعرض او عرض بعض ذلك فاما من حفظه كله منهم وعرض على النبي صلى الله عليه وسلم فجماعة من يجاء اصحاب محمد انتدبوا لاقرائه وانتصروا لادائه فكان من جعلتهم بدعة ائمة اعلام دارت عليهم اسانيد القراءات وذكروا في صدر الكتب والاجازات۔

علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابی بن کعب، عبد اللہ ابن مسعود، زید بن ثابت، ابو موسیٰ الأشعری، ابوالدرداء۔

ترجمہ :- قرآن جس طرح سے نازل ہوا بلا کمی زیادتی کے بعینہ اسی طرح سے آنحضرت نے اُسے لوگوں تک پہنچایا اور جو قرآن لکھتے تھے انہیں لکھا یا صحابہ نے بعض قرآن کی سورتیں آنحضرت سے زبانی یاد یاد کیں اور بعض کو آپ نے لکھا یا انہوں نے لکھ کر یاد کیں۔ بعض نے اپنے ساتھ والوں سے یاد کیا۔ اور پھر آنحضرت کو سنا دیا اور بعض نے نہیں سنا یا جن صحابہ نے پورا قرآن یاد کیا اور آنحضرت کو

سنا یا وہ صحابہ کی ایک جماعت ہے جنہوں نے قرآن پڑھایا انہیں میں وہ سات قاری بھی ہیں جن کی سندوں سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں۔ یعنی حضرت علی، عثمان بن عفان، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، ابوالدردار۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں جب اس قدر احتیاط فرماتے اور اس کی حفاظت میں سعی کرتے کہ جس وقت قرآن کا کوئی حصہ یا آیت نازل ہوتی اسی وقت اُسے لکھا دیتے اور محض یاد کے حوالے نہ فرماتے اور یہ نہ کرتے کہ اُس وقت محض یاد پر اعتماد اور وثوق کرتے اور دوسرے وقت یاد سے لکھا دیتے اور تعلیم دیتے۔ حالانکہ ایک روایت کا یاد رکھنا اور ان کی ترتیب کا خیال رکھنا تمام قرآن کے یاد رکھنے اور تمام آیتوں کے ترتیب کے خیال رکھنے سے بہت زیادہ آسان تھا مگر جب اس میں بھی آپ نے محض اپنی یاد پر وثوق نہیں کیا تو اب کیا یہ ممکن تھا کہ آپ تمام قرآن اور اُس کی ترتیب میں جو کہ اول سے بہت زیادہ دشوار ہے محض اپنی یا کسی دوسرے کی یاد پر وثوق کرتے اور تمام قرآن کو نہ لکھواتے۔ اس بات سے ایک معمولی فہم والا بھی یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشک تمام قرآن مرتب لکھوایا اور محض یاد کے حوالے نہیں کیا۔ جن کتب وحی کے نام کی فہرست کتب حدیث یا تاریخوں میں ہے یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے سے قرآن لکھتے تھے اور جنہوں نے پورا قرآن لکھا تھا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِي هَذِهِ الضَّعِيفَةِ

(بخاری)

بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہے ہم نے بجز قرآن کے اور اُس کے جو اس صحیفہ میں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں لکھا۔ یہ روایت صحیح بخاری کی ہے جس سے ثابت ہوا کہ بعض صحابہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن لکھا تھا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعْ الْقُرْآنَ غَيْرَ رُبْعَةَ ابْنِ الدُّدَاءِ وَمَعَاذُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ وَنَحْنُ وَرِثْنَاؤُهُ۔ (بخاری فضائل القرآن)

ترجمہ:- بخاری میں انس سے ہے۔ عہد نبوی میں ان چار یعنی ابوالدردار، معاذ بن جبل، زید بن ثابت۔ ابوزید کے سوا کسی نے پورا قرآن نہیں لکھا اور ابوزید کے قرآن کا وارث میں ہوا۔ انس کی اس روایت سے جسے بخاری نے روایت کیا ہے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ان چار صحابہ نے پورا قرآن لکھا تھا اور ابوزید کا لکھا ہوا قرآن انس کو ترکہ میں ملا تھا۔ ترمذی میں بھی اسی کی مؤید یہ روایت ہے۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ - یعنی ہم (صحابہ) آنحضرت کے رو برو قرآن کو ترتیب سے لکھ رہے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت کے امر کے موافق قرآن کو مرتب کر رہے تھے جن میں زید بھی ہیں۔

اگرچہ ظاہر میں انسؓ کے اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان چار کے سوا کسی صحابی نے پورا قرآن نہیں لکھا۔ لیکن اگر انس کا بیان محض اسی قدر ہوتا تو واقعی یہ امر ثابت ہوتا کہ ان چار کے سوا قرآن کسی نے نہیں لکھا تھا لیکن اصل میں انسؓ کا یہ بیان ایک مقام خاص پر ہوا تھا جس کو ابن عبد البر نے استیعاب ج اصناف میں نقل کیا ہے کہ انصار کے قبائل سے اوس، خزرج میں ایک بار گفتگو ہوئی۔ قبیلہ اوس نے خزرج سے فخر اُکھا ہمارے قبیلہ میں حنظلہ بن عسیل اللاتک ہے اس کے جواب میں خزرج نے فخر اُکھا۔ ہمارے قبیلہ سے چار شخصوں نے پورا قرآن لکھا یعنی تمہارے قبیلہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا۔ اس جگہ نفی سے مقصود صرف قبیلہ اوس ہے نہ عام مسلمان ورنہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابہ نے قرآن لکھا چنانچہ ان میں سے بعض کے نام ہم پہلے لکھ آئے ہیں منجملہ ان کے عبادة بن الصامت نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پورا قرآن لکھا تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۱۲ میں ہے۔ هُوَ أَحَدٌ مِّنْ جَمَاعَةِ الْقُرْآنِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْأَلُهُ عُمَرَاؤُ فِلَسْطِينَ لِيُعَلِّمَهُ أَهْلَهَا الْقُرْآنَ فَأَقَامَ بِهَا إِلَى أَنْ مَاتَ - اور نیز حدیثوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جہاد میں جب کفار کی طرف سفر کرتے تو اس وقت میں بھی قرآن اپنے ہمراہ رکھتے تھے اور جبکہ ایسے سفر میں قرآن کو ساتھ رکھتے اور نہ چھوڑتے تو دوسرے سفروں میں ضرور ساتھ رکھتے ہوں گے۔ اس لئے کہ جو لوگ قرآن کے حافظ ہیں ان کو بھی اس لئے ضروری ہے کہ اگر تلاوت میں کسی جگہ متشابہ ہو یا بھول تو قرآن دیکھ کر اطمینان کیا جائے ورنہ اگر قرآن لکھا ہوا نہ ہو تو پھر متشابہ اور بھول سے اطمینان حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ صفحات تاریخ کے دیکھنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے مقامات میں تنہا ایک ہی صحابی کو قرآن کی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا جہاں کوئی دوسرا قرآن کا حافظ نہ تھا۔ پھر ایسی حالت میں اگر قرآن لکھ کر ہمراہ نہ لیا جاتا تو متشابہ اور بھول سے نجات اور رہائی کی کیا صورت ہوتی کیونکہ وہاں کوئی دوسرا حافظ قرآن بھی نہیں جو اسے بتائے اور اگر مان لیا جائے کہ دوسرا حافظ بھی ہو تب بھی اگر ان دونوں کے مابین اختلاف ہو جائے تو اس کے فیصلہ کے لئے بھی قرآن کی ضرورت ہوگی اس لئے بھی صحابہ پر ضروری تھا کہ وہ قرآن کو لکھ کر اپنے ہمراہ رکھتے۔ اسی وجہ سے صحابہ کفار کے ملک میں جلتے وقت بھی قرآن ساتھ رکھتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمَّ أَنْ يُسَافِرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى  
أَرْضِ الْعَدُوِّ. (بخاری کتاب الجهاد)

بخاری میں ابن عمرؓ سے ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں (کفار) کے سرزمین میں  
قرآن لے جانے کی ممانعت فرمائی۔

بخاری کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کفار کی سرزمین پر سفر کرتے وقت بھی قرآن ہمراہ  
لے جاتے تھے جس کی ان کو ممانعت کی گئی اور نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کے پاس قرآن  
لکھا ہوا رہتا تھا اور جو لوگ قرآن کے حافظ نہیں تھے وہ تلاوت کے لئے قرآن ہمراہ رکھتے تھے۔  
کیونکہ صحابہ میں قرآن کا ورد مقرر تھا جس کو وہ روزانہ پڑھتے تھے۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ  
ایک ہفتہ میں صحابہ کے ختم کا معمول تھا۔ پہلے روز تین سورت (بقرہ، آل عمران، نساء)،  
دوسرے روز پانچ (مائدہ سے براءۃ تک) تیسرے روز سات (یونس سے نحل تک)  
چوتھے روز نو (بنی اسرائیل سے فرقان تک) پانچویں روز گیارہ (شعرا سے یسین تک) چھٹے روز  
تیرہ (صافات سے حجرات تک) ساتویں روز تمام مفصل (ق سے آخر تک)۔

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَبِي حَذِيفَةَ الثَّقَفِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ اسْلَمُوا مِنْ ثَقِيفِ الْحَدِيثِ  
فِيهِ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَأَ عَلَيَّ حِزْبِي مِنَ الْقُرْآنِ فَأَرَدْتُ أَنْ لَا أَخْرُجَ حَتَّى  
أَقْضِيَهُ فَمَسَّلْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا كَيْفَ تَحْزِبُونَ الْقُرْآنَ قَالُوا نَحْزِبُهُ ثَلَاثَ  
سُورٍ وَخَمْسَ سُورٍ وَتِسْعَ سُورٍ وَاحِدَى عَشْرَةَ سُورَةً وَثَلَاثَ عَشْرَةَ سُورَةً وَحِزْبَ الْمَفْصَلِ  
مِنْ قِيَامَتِي حَتَّى يُخْتَمَ. (اتقان) عن احمد و ابن داود .

اتقان میں علامہ سیوطی نے مسند امام احمد اور ابن ابی داؤد سے نقل کیا ہے طائف سے قبیلہ ثقیف  
جو مسلمان ہو گیا تھا آیا اس میں ابو حذیفہ ثقفی بھی تھا وہ کہتا ہے۔ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
کو اپنے معمولی وقت سے باہر تشریف لانے میں تاخیر ہوئی آپ نے فرمایا۔ آج اس وجہ سے تاخیر ہوئی  
کہ قرآن کا ورد روزانہ مجھ سے رہ گیا تھا اُسے پڑھنے میں دیر ہوگئی۔ تب اُس نے صحابہ سے دریافت کیا  
کہ قرآن پڑھنے میں تمہارا کیا معمول ہے۔ صحابہ نے کہا اول روز تین سورۃ پھر پانچ پھر نو پھر گیارہ  
پھر تیرہ پھر تمام مفصل یعنی ق سے آخر تک۔

اس حدیث کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات ص ۳۴۴  
ج ۵ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا کے بعد اس وفد کے پاس تشریف لاتے تھے  
ایک روز معمول سے زیادہ دیر ہوگئی۔ وفد والوں نے عرض کیا کہ آج کس وجہ سے حضور کو تاخیر ہوئی  
فرمایا قرآن کے روزانہ ورد سے آج کچھ رہ گیا تھا اس لئے میں نے یہ پسند نہ کیا کہ بلا پڑھے اس کے مسجد

سے نکلوں۔ اوس کہتے ہیں صبح کو میں نے صحابہ سے دریافت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی شب میں یہ فرمایا کہ میرا ورد قرآن کا باقی رہ گیا تھا تو تم روزانہ کتنا پڑھتے ہو۔ صحابہ نے جواب دہی دیا جو اتقان سے ابھی نقل کیا گیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے روزانہ قرآن کی تلاوت کا التزام کیا تھا اور ہر روز کے لئے جدا جدا اس کی منزل قائم کرنی تھی اور ایک خاص وقت اُس کی تلاوت کا مقرر تھا جس میں روزانہ اُس روز کی مقررہ تلاوت کرتے اور اگر کسی عذر سے اس وقت میں چھوٹ جاتی تو دوسرے وقت اس کو کر لیتے اور ظاہر ہے کہ تمام صحابہ حافظ قرآن نہ تھے اب جو حافظ نہ تھے وہ ضرور دیکھ کر تلاوت کرتے ہونگے اور اُن کے پاس لکھا ہوا قرآن ہوگا۔ اسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے عہد میں قرآن مرتب اور جمع ہو گیا تھا جیسا روزانہ کی گئی ورد کی مقدار سے صاف ظاہر ہے اور جو ترتیب اس ورد میں بیان کی گئی ہے یہ بعینہ وہی ترتیب ہے جو قرآن کی آج بھی ہے۔ یہاں یہ خیال کرنا کہ تمام صحابہ یاد ہی سے تلاوت کرتے تھے لکھا ہوا اُن کے پاس نہ تھا یہ وہ بات ہے جس کو کوئی سمجھ دار باور نہیں کر سکتا۔ اول تو یاد سے پڑھنے میں بھی اس کی ضرورت ہے کہ لکھا ہوا قرآن پاس ہو جیسا کہ اوپر ہم لکھ آئے ہیں۔ دوسرے یہ ثابت ہونا نہایت مشکل ہے کہ تمام صحابہ حافظ قرآن تھے۔ تیسرے بہت سے واقعات ہیں جو بتلاتے ہیں کہ آپ کے عہد میں محض یاد سے ہی پڑھنے کا رواج نہ تھا بلکہ لکھ کر بھی پڑھتے تھے یہاں منجملہ اُن واقعات کے چند واقعات ہم ایسے لکھتے ہیں جن سے اس امر کی شہادت ملے گی کہ آپ کے مبارک عہد میں لکھے ہوئے سے دیکھ کر بھی قرآن پڑھنے کا رواج تھا۔

**پہلا واقعہ** | کامل ابن اثیر میں ہے۔ اسلام لانے کے قبل فاروق اعظم جب اپنی بہن فاطمہ کے مکان پر پہنچے تو اُس وقت جناب بن الارت صحابی اُن کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ جب ان کو فاروق اعظم کے آنے کی آہٹ ہوئی جناب تو چھپ گئے اور فاطمہ نے اس صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے چھپایا جس پر قرآن لکھا ہوا تھا اس میں سورۃ طہ لکھی ہوئی تھی۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام ہی سے مسلمانوں میں قرآن کو لکھ کر پڑھنے کا رواج ہو گیا تھا۔

**دوسرا واقعہ** | عَنْ سَهْلِ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ جِئْتُ اَهْبُ لَكَ نَفْسِي قَالَ فَنظَرَ اِلَيْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعَّدَ النَّظْرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأَّطَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتْ الْمَرْءَةَ اَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ اصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنْ



لَمْ تَكُنْ لَكَ حَاجَةٌ فَرَوَّجْتُمَا فَقَالَ وَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَذْهَبَ إِلَيَّ أَهْلِكَ فَأَنْظُرُ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ مَا وَجِدْتُ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرُوا لَوْنَحَاتِمَا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَالَهُ رَوَّاعٌ فَلَهَا نِصْفُهَا فَقَالَ مَا تَصْنَعُ يَا زَارِكُ إِنْ لَيْسَتْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَيْسَتْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى إِذَا طَالَ فَجَلَسَتْ قَامَ فَرَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا فَأَمْرَبَهُ فِدْعِي فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِيَ سُورَةٌ كَذًا وَسُورَةٌ كَذَا عَدَدَاهَا فَقَالَ اتَّقْرَأْهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَذْهَبُ فَقَدْ مَلَكْتُكَ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ - (كتاب النكاح بخاری)

ترجمہ :- بخاری میں سہل سے ہے کہ ایک عورت نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں اپنے کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتی ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھ کر سر جھکایا عورت کو جب کچھ جواب نہ ملا تو بیٹھ گئی۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ آپ نہ کریں تو مجھ سے نکاح کر دیجئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے پاس کچھ مال ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا گھر جا کر دیکھ تو وہ گھر جا کر واپس آیا اور عرض کیا کچھ نہیں ملا۔ فرمایا دیکھ تو، لوہے کی انگوٹھی ہی ملے تو لے آ۔ پھر وہ گیا اور واپس آیا اور عرض کیا کہ انگوٹھی بھی نہیں ملی ہاں میرا یہ تہ بند ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ اُس پر چادر نہ تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انار کا کیا ہوگا اگر تو استعمال کرے گا تو عورت محروم رہے گی اور اگر عورت استعمال کرے گی تو تم محروم رہو گے یہ شخص یہ سن کر بیٹھ گیا دیر تک بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر فرمایا۔ تو قرآن پڑھ سکتا ہے۔ عرض کیا میں فلاں فلاں سورت پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا کیا حفظ سے پڑھ سکتے ہو۔ عرض کیا ہاں۔ تب آپ نے اُس کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا اتَّقْرَأْهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ یعنی ان سورتوں کو حفظ پڑھ سکتا ہے اس امر کی کافی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں دونوں طرح پڑھنے کا رواج تھا یاد سے اور دیکھ کر ورنہ اگر محض یاد ہی سے رواج ہوتا تو پھر یہ سوال فضول تھا کہ یہ سورتیں یاد ہیں۔

كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا يَوْمَئِذٍ عَابِدًا كَوَانٍ مِنَ الْمُصَغَفِ -

(بخاری کتاب الاذن)

### تیسرا واقعہ

ترجمہ :- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام و کوان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا امام ہوتا اور قرآن کو دیکھ کر بڑھتا۔

چوتھا واقعہ | ابن خلدون میں ہے۔ عمرو بن حزم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا امیر

بنا کر جب روانہ فرمایا تو ان کو کچھ احکام لکھ دیئے منجملہ اُن احکام کے یہ بھی تھا۔ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْقُرْآنَ  
 وَأَنْ يَتَّبِعُوا النَّاسَ فَلَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِذْ هُوَ طَاهِرٌ۔ یعنی قرآن کی تعلیم دیں اور لوگوں کو بلا طہارت  
 قرآن کو ہاتھ لگانے سے اور بلا طہارت چھونے سے منع کریں۔ اس ممانعت سے کہ بلا طہارت قرآن لینا نہ  
 چاہیے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن لکھا ہوا تھا۔ بسید جو عرب کے مشہور اور نامی شعراء میں تھا جب مسلمان ہوا  
 تو قرآن لکھا اور شعر کہنا چھوڑ دیا۔ اُمّ خالد جو خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی ہیں وہ کہتی ہیں کہ  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ میرے باپ نے لکھی خالد پانچویں مسلمان ہیں۔ ان کے پہلے چار آدمی  
 مسلمان اور ہو چکے تھے۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن لکھنے کا سلسلہ اسلام کے ساتھ ساتھ شروع  
 ہوا اور اول ہی سے لوگوں نے اس کا انتظام کیا تھا۔ عرفات میں ایک شخص نے فاروق اعظمؓ سے بل کر کہا۔  
 میں کوفہ سے آیا ہوں اور وہاں ایک ایسے شخص کو چھوڑا ہے جو قرآن کو اپنی یاد سے لکھا رہا تھا۔ یہ سن کر  
 فاروق اعظمؓ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا وہ کون شخص ہے۔ جواب دیا ابن مسعود۔ یہ سن کر غصہ  
 فرو ہو گیا اور اپنی حالت پر آگے بڑھے اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت میں یاد سے قرآن  
 لکھنا پسندیدہ نہ تھا اس لئے فاروق اعظمؓ کو اس پر غصہ ہوا۔ لیکن ابن مسعودؓ چونکہ قابل وثوق تھے  
 اس لئے اُن کا نام سن کر آپ کو اطمینان ہوا۔ ورنہ عام طور سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو قرآن سے  
 نقل کرتے تھے نہ کہ یاد سے۔ اور نیز احتیاط اور یقین اس میں ہے اور نیز اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ  
 لکھے ہوئے قرآن سے تلاوت کرنے کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب خصوصیت سے  
 دلائی اور اس کی فضیلت کو بیان کیا اور حفظ پڑھنے سے اس کو جو امتیاز اور شرف تھا اس کو ظاہر کیا۔  
 میں یہاں ایسی چند اس کے متعلق حدیثیں لکھتا ہوں جس سے ثابت ہوگا کہ قرآن کو دیکھ کر تلاوت  
 کرنا حفظ تلاوت کرنے سے افضل ہے۔

(۱) قِرَاءَتِكَ نَظْرًا تَضَاعِفُ عَلٰی قِرَاءَتِكَ ظَهْرًا كَفَضْلِ الْمَكْتُوبَةِ عَلَي النَّافِلَةِ۔ (کنز العمال ج ۱۲۹)

ترجمہ: یاد سے تلاوت پر دیکھ کر تلاوت کو دہری فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل پر ہے۔

(۲) مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ نَظْرًا مُتَمِّعًا بَصْرًا۔ (کنز العمال ج ۱۲۹)

ترجمہ: دیکھ کر جو قرآن پڑھے گا اُس کی بینائی قائم رہے گی۔

(۳) مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُجِيبَهُ اللّٰهُ مِنْ سَوْأَةٍ فَلْيَقْرَأْ فِي الْمَصْحَفِ۔ (کنز العمال ج ۱۷ ص ۵)

ترجمہ: جسے خدا اور رسول کی محبت خوش کرے وہ قرآن دیکھ کر تلاوت کرے۔

جناب سرور کائنات کے یہ ارشادات ایسے نہیں ہیں جن کے بعد کسی مسلمان قرآن تلاوت کرنے

لے طبری کی جلد ۱۵ ص ۱۵ میں بھی اسے لکھا ہے۔ ۵۲ جہرۃ العرب ص ۳

۵۵ و ۵۶ استیعاب ج ۱ ص ۱۵۹

دلے کی یہ خواہش اور کوشش نہ ہو کہ وہ قرآن میں تلاوت کرے خصوصاً صحابہ کرام تو اس صورت میں ضرور اس پر مجبور تھے کہ وہ قرآن کو لکھتے خواہ وہ حافظ ہوں یا ناظر۔

الحاصل اس میں شبہ نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارک میں قرآن کا حرف لکھا یا اور صحابہ نے اسے لکھا جو صحابہ وحی لکھنے والوں کی فہرست میں ہیں اور جن کو محدثین اور مورخین نے کاتب وحی کہا ہے اور ان میں ان کا شمار ہے یہ وہی لوگ ہیں جو قرآن کو اپنے لئے لکھتے جاتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو خود انھیں لکھاتے اور کبھی ایک شخص کو لکھا دیتے اور وہ دوسروں کو لکھاتا اور یہ خیال کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے ان کاتبوں سے لکھواتے اور لکھا کر اپنے پاس رکھتے جاتے مجھے اس کے باور کرنے میں اس لئے کلام ہے کہ تاریخ اور نیز احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت کے پاس لکھا ہوا قرآن رہتا تھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے متروکات میں قرآن برآمد ہوا۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ قرآن جب نازل ہوتا آپ اسے لکھاتے تو اگر آپ اپنے لئے قرآن لکھاتے تو ضرور تمام قرآن لکھا ہوا آپ کے پاس ہوتا خواہ وہ متفرق ہوتا یا مجتمع لیکن کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ کے پاس قرآن تھا ورنہ یہ قرآن زیادہ قابل حفاظت ہوتا اور مسلمان اس کو محفوظ رکھتے اور خلیفہ اول کو جمع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور نہ زید بن ثابت کو جمع قرآن میں اس کی تلاش اور جستجو کی مشقت اٹھانی پڑتی بلکہ تمام لکھا ہوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے ملتا اور اسے زید نقل کر لیتے اور ابو خزیمہ کے پاس سے آیتوں کی نقل کی ضرورت نہ ہوتی اور نیز تمام مورخین اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کیا یعنی لکھا لکھا کر تمام کو اپنے پاس نہیں رکھا البتہ آپ نے تمام قرآن لکھا یا اور صحابہ نے اسے اول سے آخر تک لکھا اور جس جس نے لکھا اس کا لکھا ہوا اسی کے پاس تھا اور ان لکھنے والوں میں دو قسم کے تھے۔ اول وہ جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتلایا اور آپ سے سن کر انھوں نے لکھا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ قرآن جب نازل ہوتا آپ ان لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر لکھا دیتے۔ دوسرے وہ جو آپ کے لکھائے ہوئے سے نقل کر لیتے۔ جیسا زید بن ثابت کہتے ہیں کہ آپ مجھے بتلاتے اور قرآن کی وہ آیات جو نازل ہوتیں لکھا دیتے میں لکھنے کے بعد پھر آپ کو سناتا اگر اس میں اصلاح کی ضرورت ہوتی تو آپ اصلاح کرتے۔ اس کے بعد میں اپنے اس لکھے ہوئے کو لوگوں کے پاس لاتا۔ چنانچہ زید نے اپنے اس لکھے ہوئے قرآن کو آخر وقت میں پھر آنحضرت کو سنایا اور اس قرآن کی ترتیب بعینہ ہی ہے جو ہمارے قرآن کی ہے (معارف ابن قتیبہ) اب جبکہ یہ معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن لکھا یا تو ضرور صحابہ نے اسی ترتیب سے لکھا اور یا دیکھا جس ترتیب سے کہ آپ نے لکھا یا تھا۔ کیونکہ جس طرح کسی مسلمان خصوصاً

صحابہ کرام سے یہ ناممکن ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا حرف کو بدل دیں اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ اس ترتیب کو بدل دیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی دیکھو۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا اقْرَأَهَا وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأَ فِيهَا وَكَدَّتْ أَنْ أُعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ امْتَلَتْهُ حَتَّى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبِثْتُ بِرِدَائِهِ فَبَجِثْتُ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری کتاب النصوص)

ترجمہ:- بخاری میں ہے۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ ہشام نماز میں سورہ فرقان اُس کے خلاف پڑھتے تھے جس طور سے میں پڑھتا تھا اور سورہ فرقان مجھے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی میں یہ سن کر ایسا بیخود ہو گیا کہ نماز ہی میں انھیں گرفت کرتا مگر ٹھوڑا تامل کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تب اُن کے گلے میں چادر ڈال کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور تمام قصہ سنایا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو قرآن میں کسی قسم کی تغیر اور تبدل کو اپنی طرف سے روا رکھتا یا ایسا ہونے پر سکوت کرتا۔ دیکھو ہشام نے ذرا اُس قراۃ میں اختلاف کیا تھا جو حضرت عمرؓ کو معلوم تھی تو حضرت عمرؓ اُس کے سننے کی تاب نہ لاسکے۔

إِنَّ الْحَجَّاجَ خَطَبَ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بَدَّلَ كَلَامَ اللَّهِ فَقَامَ ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ كَذِبٌ لَوْ يَكُنُّ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُبَدِّلَ كَلَامَ اللَّهِ وَلَا أَنْتَ۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۱ ص ۳۷۳)

ترجمہ حجاج نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ ابن زبیر نے قرآن بدل دیا فوراً یہ سن کر ابن عمر نے کھڑے ہو کر کہا کہ قرآن بدلنے کی نہ تجھے طاقت ہے نہ ابن زبیر کو۔

قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ عَفَّانَ وَالَّذِينَ يَتَوَكَّفُونَ مِنْكُمْ الْخَطَّابُ قَدْ نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الْآخِرَى فَلِمَ تَكْتُمُهَا، قَالَ نَدَعُهَا ابْنُ أَبِي \_\_\_\_\_ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ۔ (بخاری معاذ)

ترجمہ:- بخاری میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر کے جواب میں کہا میں قرآن سے کچھ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔

ان واقعات سے ہر نیمروز کی طرح روشن ہے کہ صحابہ کرام اپنی طرف سے قرآن میں کسی قسم کے تصرف کو روا نہیں رکھتے تھے اور نہ کسی کے امکان میں یہ تھا کہ اپنی طرف سے قرآن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کر سکتا۔ اب خیال کرو کہ قرآن میں یہ دو امر بھی ہیں۔

(۱) اول ہر سورت کی آیتوں کی ترتیب (۲) دوسرے قرآن کی سورتوں کی ترتیب۔ کیونکہ قرآن محض الفاظ مفردہ کا نام نہیں بلکہ آیات مرتبہ اور سور مرتبہ کا نام ہے۔ جس طرح قرآن کے الفاظ کی جگہ دوسرے اس کے ہم معنی کا نام قرآن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے جملوں اور آیتوں کی ترتیب بدل دی جائے یا سورتوں کی ترتیب بدل دی جائے تو وہ بھی قرآن نہیں ہو سکتا اس لئے کہ خصوصیت الفاظ کو جس طرح ہر

کتاب میں دخل ہے اسی طرح ترتیب الفاظ اور اس کے حصص کی ترتیب کو بھی بڑا دخل ہے۔ دیکھو کسی مصنف کی کتاب کی ترتیب کو اگر بدل دیا جائے تو وہ بعد اس تبدل کے اس مصنف کی کتاب نہیں کہی جاسکتی اور ہر مصنف جس طرح اپنی کتاب کے لئے خاص الفاظ اور مضامین تجویز کرتا ہے اسی طرح اس میں باہم جملوں اور مضامین کا ایک خاص سلسلہ قائم کرتا ہے پس جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے احکام اور خلق کی ہدایت کے لئے ایک کتاب تجویز کی تو اس کتاب کے لئے جس طرح خاص خاص الفاظ تجویز کئے اسی طرح اس کے مضامین اور اس کے حصصوں کا سلسلہ بھی خود ہی قائم کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلہ اور ترتیب سے خود بھی یاد کیا۔ اور دوسروں کو بھی تعلیم دی اور لکھایا۔ ہمیں ایسے خیال پر نہایت ہی تعجب ہوتا ہے جو سورتوں کی آیتوں کو کہتے ہیں کہ ان کی ترتیب آسمانی نہیں انسانی ہے کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن معجز کلام ہے یعنی ایسا کلام ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ کلام معجز وہی ہے جہاں انسان کی پرواز ممکن نہ ہو اور اس سے بالاتر ہو۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ ان آسمانی جملوں کی ترکیب کسی انسان کا کام مانا جائے اس لئے کہ جملوں کا ترکیب دینا اور ان میں مناسبت اور مقام کا لحاظ رکھنا ہی تو اعجاز کی روح ہے اور جب یہ ہی کسی انسان کا کام ہوا تو اس کے بعد اعجاز کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہر سورت میں جس قدر آیتیں اور جملے ہیں ان میں ضرور کوئی ایسا ارتباط ہے جس کی وجہ سے وہ ایک جدا سورت قرار دی گئی ہے ورنہ اگر ایک سورت کی تمام آیتوں میں کوئی ایسا مستحکم رشتہ جس نے ان تمام آیتوں کو ایک جگہ منسلک کر لیا ہے، نہ ہو تو ایسی صورت میں ان آیات کے مجموعہ کو علیحدہ سورت بنانے کی کوئی وجہ نہ ہوگی اور قرآن میں مختلف سورتیں قرار دینا لغو فعل ہوگا اور ان سورتوں میں بھی یہ فرق کہ ایک سورت ڈھائی پارے کی ہو اور ایک سورت ایک سطر کی بلا کسی ارتباط اور تعلق کے ناممکن ہے تو ضرور ہر سورت کی تمام آیات میں ایک خاص رشتہ ہے اور ہر سورت کے لئے موضوع جدا جدا ہے اور غرض اور غایت میں بھی فرق ضرور ہے۔ ہاں ہر سورت کے موضوع کو سمجھنا ہی البتہ مشکل ہے تا وقتیکہ موضوع ہر سورت کا معلوم نہ ہو اس وقت تک ان آیات میں ارتباط کا دریافت کرنا ناممکن ہے اور اسی اشکال کی وجہ سے بعض علمائے اسلام نے تو صاف یہ اقرار کیا ہے کہ آیات میں باہم ہر جگہ ارتباط اور تعلق نہیں ہے اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اور بعض نے ارتباط کو تسلیم کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ باہم تمام آیات اور سورتیں مربوط ہیں لیکن جو ربط وہ بیان کرتے ہیں اس میں اس قدر تکلف کرنا پڑتا ہے اور آسمان و زمین کے قلابے بیلانے ہوتے ہیں کہ یہ ربط خوبے ربطی کے لئے کافی ضمانت ہے اور یہ تکلف یا بے ربطی محض اس وجہ

سے ہے کہ سورت کے موضوع اور بحث کی پہلے تعیین نہیں کی گئی اور وہ نہیں معلوم کیا گیا ہاں موضوع معلوم ہونے کے بعد تمام آیات میں رشتہ اتحاد مستحکم نظر آئے گا اور اس میں کسی تکلف کی ضرورت نہ ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک موضوع کے احکامات کا انتخاب اور ان احکامات کے بیان میں ترتیب اور ان کی مناسبت ہر شخص کی قابلیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف لوگوں کے بیان میں نمایاں امتیاز اور فرق اور دلوں پر اس کا اثر جدا جدا ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک موضوع کے احکام اور لواحقات میں آسمانی ترتیب کا مقابلہ کوئی انسانی ترتیب نہیں کر سکتی اور اس کے جذب اور اثر اور گرویدہ کرنے کا جو افسون اور تسخیر آسمانی ترتیب میں ہوگا وہ کسی دوسرے کی ترتیب میں ناممکن ہے اس لئے بھی یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر سورت کی آیتوں کی ترتیب آسمانی ہے۔ چنانچہ احادیث سے بھی اس امر کی کافی اور کامل اور نہایت مستحکم ناقابل حرج شہادت ملتی ہے اور اس شہادت میں دو قسم کی حدیثیں ہیں۔ اول ایسی حدیثیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیتوں کی ترتیب آسمانی ہے اور ہر سورت کی ترتیب خود اس کے نازل کنندہ کی طرف سے دی گئی ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی طرف سے۔ دوسری حدیثیں وہ ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سورتوں کو صحابہ کو سنایا اور جس طرح آپ نے سورتوں کو سنایا اسی طرح صحابہ نے یاد کیا اور لکھا نہ یہ کہ آپ نے محض آیات سنائیں اور ان میں ترتیب صحابہ نے دی اور جدا جدا سورتیں قائم کیں بلکہ جدا جدا سورتیں آنحضرت ہی نے قائم کی ہیں۔

اب میں یہاں چند احادیث دونوں قسم کی بیان کرتا ہوں

## قسم اول کی حدیث

(۱) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَالِ - (مسلم)

ترجمہ :- ابو دردار سے ہے۔ آنحضرت نے فرمایا جس نے سورہ کہف کے اول سے دس آیتیں یاد کیں وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

(۲) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَافٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْحَشْرِ وَكَلَّ اللَّهُ بِهِ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ حَتَّى يَمُوتَ وَإِنْ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ مَرَاتٍ شَهِيدًا - (ترمذی)

ترجمہ :- معقل بن یسار سے روایت ہے۔ آنحضرت نے فرمایا جس نے صبح کو تین بار اَعُوذُ

يَا اللَّهُ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھ کر سورہ حشر کے اخیر کی تین آیتیں پڑھیں تو ستر ہزار فرشتے اُس پر ایسے مقرر ہونگے جو شام تک اس کے لئے دُعاے رحمت کریں گے اور اگر وہ اُس دن میں مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

(۳) عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْفَتَى عَاهِمِ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَأُ فِي دَارِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرُبُهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ فضائل قرآن)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ہے ترمذی ابوداؤد میں نعمان سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دو ہزار سال قبل ایک کتاب لکھی اسی کتاب سے وہ دو آیتیں اتاری ہیں جس نے سورہ بقرہ کو ختم کیا۔ جس گھر میں یہ دونوں پڑھی جائیں وہاں شیطان نہیں پھٹک سکتا۔

(۴) عَنْ جَبْرِ بْنِ نُفَيْرَانَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ خَتَمَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ أُعْطِيَتْهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوهُنَّ وَعَلِّمُوهُنَّ نِسَاءَكُمْ فَإِنَّهُمَا صَلَوَةٌ وَقُرْبَانٌ وَدُعَاءٌ۔ (دارمی مشکوٰۃ فضائل القرآن)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ہے دارمی میں جبیر سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ نے سورہ بقرہ کو ایسی دو آیت پر ختم کیا جو مجھے اُس کے عرش کے خزانہ سے ملی ہیں تم انہیں خود بھی سیکھو اور اپنی عورتوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ رحمت ہے اور دُعا ہے اور عبادت ہے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ سورہ بقرہ، کہف، حشر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مرتب تھیں جسے صحابہ جانتے تھے۔ اور ان سورتوں کی ترتیب آسمانی ہے اس لئے کہ آخر کی حدیثوں میں لفظ (ختم) جو فعل ماضی ہے اس کا فاعل خدا تعالیٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آخر کی دو آیتوں کو آخر میں رکھنے والا خدا تعالیٰ ہے جس سے ہر ذی فہم کے لئے یہ امر نہایت روشنی میں آجاتا ہے کہ سورہ بقرہ کی ترتیب آسمانی ہے اس لئے کہ جب ان دو آیتوں کا آخر میں رکھنا خدا کا فعل ہے تو بقیہ آیتوں کو بھی اپنے اپنے مقام پر ذکر کرنا اور لانا خدا ہی کا فعل ہوگا اور ترتیب آیات اگر آسمانی نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ فرماتے اور جب بقرہ، کہف، حشر کی ترتیب آسمانی ہوتی تو قرآن کی تمام سورتوں کا یہی حال ہوگا۔

اس میں دو طرح کی حدیثیں ہیں۔ بعض وہ احادیث ہیں جن میں سورتوں کا نام نہیں بلکہ نام کی سورتوں کا بیان ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں سورتوں کا نام بنا نام ذکر ہے۔ اول میں پہلے طرح کی حدیثوں

**دوسری قسم کی حدیث**

کو لکھتا ہوں پھر دوسری طرح کی حدیثوں کو۔

(۱) قَالَ تَحَطَبْنَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً۔ (بخاری، فضائل قرآن)

ترجمہ :- راوی کہتا ہے کہ ابن مسعود نے ایک روز خطبہ میں کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اوپر ستر سورتیں یاد کیں۔

(۲) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَنَا ابْنُ عَشَرَ سِنِينَ وَقَدْ قَرَأْتُ الْمُحْكَمَ وَفِي رِوَايَةٍ جَمَعْتُ الْمُحْكَمَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری، فضائل قرآن)

بخاری میں ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں محکم کو یعنی وہ سورتیں جو مفصل کہلاتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پڑھ لیا تھا اور اس وقت میں دس سال کا تھا۔

(۳) قَالَ زَيْدُ ابْنِ أَبِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ وَقَدْ قَرَأْتُ سَبْعَ عَشَرَ سُورَةً فَقَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْجَبَهُ ذَلِكَ وَهُوَ ابْنُ إِحْدَى عَشْرَةَ سَنَةً۔

(تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۱ ص ۲)

تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے زید بن ثابت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں جب تشریف فرما ہوئے اس وقت میں ستر سورتیں پڑھ چکا تھا جن کو میں نے آنحضرت کو سنا یا آپ سن کر بہت خوش ہوئے زید اس وقت گیارہ سال کے تھے۔

(۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (بخاری تہجد)

بخاری میں جابر سے ہے۔ رسول خدا ہم کو تمام کاموں میں استخارے کی دعا اسی طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے۔

(۵) سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً اسْقَطْتَنَ مِنْ سُورَةٍ كَذَا وَكَذَا۔ (بخاری کتاب الشہادت)

بخاری میں ہے کہ آنحضرت نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور فرمایا اس پر اللہ رحم فرمائے۔ اس کے پڑھنے سے مجھے قرآن کی فلاں سورت کی فلاں آیت یاد آگئی جن کو میں بھول گیا تھا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ہر سورت کی تمام آیات اور ان کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں متعین تھیں اس لئے آپ کا یہ فرمان صحیح ہوگا کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں بھول گیا تھا ورنہ اگر سورت کی آیات مقرر نہ ہوتیں تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ فلاں سورت کی فلاں



آیت، یہ جب ہی درست ہوگا جب آیتوں کو سورتوں کے لئے منقر کر دیا ہو۔

(۶) قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنِيَ بَيْنَ كَفْتَيْهِ كَمَا يَعْلَمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الْخ - (بخاری کتاب الاستیذان)

بخاری میں ہے۔ راوی کہتا ہے ابن مسعود کہتے تھے رسول خدا نے مجھے التحیات کی اسی طرح تعلیم دی جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

(۷) عَنْ أَنَسِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيًّا فَأَسْلَمَ وَقَرَأَ الْبَقْرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَادَ نَصْرَانِيًّا الْخ - (بخاری کتاب المناقب)

بخاری میں ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک عیسائی اسلام لایا اور سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی یہ وحی لکھتا تھا پھر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔

(۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآيَاتُ مِنَ آخِرِ سُورَةِ الْبَقْرَةِ مِنْ قَرَأَهَا فِي لَيْلَةٍ كَفَّتَاهُ - (بخاری مناقب)

ترجمہ: بخاری میں ابن مسعود سے ہے رسول خدا نے فرمایا۔ آخر سورہ بقرہ سے دو آیت جورات میں پڑھے گا وہ اس کو کافی ہوں گی۔

(۹) قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ قَدْ عَلِمْتُ التَّطَايُرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ هُنَّ اثْنَتَيْنِ إِثْنَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ وَدَخَلَ مَعَهُ عُلُقَمَةُ وَخَرَجَ عُلُقَمَةُ فَسَأَلْنَا فَقَالَ عَشْرُونَ سُورَةً مِنْ أَوَّلِ الْمُفْصَلِ عَلَى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ آخِرُهُنَّ مِنَ الْحَوَائِمِ لِحَمِّ الدَّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَلَّلُونَ - (بخاری فضائل)

ترجمہ :- بخاری میں ہے ابن مسعود نے کہا میں ان ماضی سورتوں کو جانتا ہوں جس میں کی دو سورتیں آنحضرت ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ لوگوں نے علقمہ سے ان سورتوں کو دریافت کیا تو علقمہ نے جواب دیا کہ ابن مسعود کی ترتیب کے موافق اول مفصل سے بیس سورتیں ہیں ان میں آخر حم دخان اور عم يتسألون ہے۔

(۱۰) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ آخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ كَامِلَةً بَرَاءَةٌ وَآخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةً سُورَةُ النِّسَاءِ يَسْتَفْتُونَكَ الْخ - (بخاری مغازی)

ترجمہ :- بخاری میں براء سے ہے کہ پوری سورتوں میں آخر میں سورہ براءہ نازل ہوئی اور سورہ نساء کا آخر نازل ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جو ایک بار پوری مرتب نازل ہوئیں اور انہیں میں سورہ براءہ ہے جو کہ سب کے آخر میں نازل ہوئی اور سورہ نساء کے آخر کی آیت بھی آخر میں

نازل ہوئی ہے۔

(۱۱) عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي

الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا (متفق عليه) (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے۔ ام فضل کہتی ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۃ مرسلات پڑھتے ہوئے سنا۔

(۱۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بَقِ وَالْقُرْآنِ

الْبَجِيدِ وَنَحْوَهَا (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے جابر کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں سورہ ق اور اس کے مثل سورۃ پڑھتے تھے۔

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْمِ

تَنْزِيلِ السَّجْدَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ آتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو صبح کی پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدة اور دوسری رکعت میں هل آتی على الانسان پڑھتے تھے۔

(۱۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرِيفٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ ابَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَنَحَرَ حِجَابَ

مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا ابُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے عبید اللہ کہتے ہیں مروان نے ابو ہریرہ کو مکہ جاتے وقت مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا۔ ابو ہریرہ نے جمعہ میں اول رکعت میں سورۃ جمعہ اور دوسری رکعت میں اذا جاءك المنافقون پڑھی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے جمعہ میں انھیں پڑھتے سنا ہے۔

(۱۵) عَنِ النَّعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ

وَفِي الْجُمُعَةِ بِسْمِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَهَلْ آتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے نعمان کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں بسم اسم ربك الاعلى اور هل آتاك حديث الغاشية پڑھتے تھے۔

(۱۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَقْدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَىٰ وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بَقِ وَالْقُرْآنِ الْبَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے عبید اللہ کہتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو واقد سے پوچھا کہ آنحضرت

عیدین میں کیا پڑھتے تھے کہا، سورہ ق اور سورہ اقتربت الساعة۔

(۱۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُورَةِ الْأَعْرَافِ فَرَقَّهَا فِي الرَّكَعَتَيْنِ - (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی دو رکعت میں پوری سورہ اعراف پڑھی۔

(۱۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحَمِّ الدُّخَانِ - (نسائی، مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں نسائی سے ہے۔ ابن عتبہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں حم الدخان پڑھی۔

(۱۹) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأَتْ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمَ فَلَمْ يَجِدْ فِيهَا مَتَفَقًا عَلَيْهِ (مشکوٰۃ - سجود القرآن)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے زید کہتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ النجم سنائی مگر آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

(۲۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَقْرَبَ بِاسْمِ رَبِّكَ - (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ اذا السماء انشقت اور اقرب باسم ربك میں سجدہ کیا۔

(۲۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدْتُ مِمَّنْ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيهَا - (بخاری، مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں بخاری سے ہے ابن عباس کہتے ہیں سورہ ص میں سجدہ ضروری نہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے میں نے دیکھا ہے۔

(۲۲) عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقْرَةَ وَالْإِنشَاءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْأَنْعَامَ - (ابوداؤد، مشکوٰۃ - صلاة الليل)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ابوداؤد سے ہے حذیفہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شب کی نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے چار رکعت پڑھیں جن میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نسا، سورہ مائدہ یا النعام کو پڑھا۔

(۲۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيهِمْ بِسَبْعِ

سُورَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوْرٍ آخِرَهُنَّ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. (ترمذی مشکوٰۃ الوریٰ)  
ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ترمذی سے ہے علی رضی نے فرمایا رسول خدا و ترکی تین رکعت پڑھتے جن میں  
مفصل کی نو سورتیں ہر ایک میں تین تین پڑھیں اور آخر سورۃ قل ہوا اللہ تھی۔

(۲۴) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَّرْبُوطٌ  
بِشَاطِنَيْنِ فَتَغَشَّتَهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُو وَتَدْنُو وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ لَمَّا أَصْبَحَ إِلَى النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ. متفق عليه  
(مشکوٰۃ فضائل القرآن)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے برابر کہتے ہیں ایک آدمی سورۃ کہف پڑھ رہا تھا اور  
اس کے بازو میں گھوڑا بندھا ہوا تھا اتنے میں ابرنمودار ہوا جس نے گھوڑے کو گھیر لیا اور قریب ہونا  
شروع ہوا گھوڑا دیکھ کر کودنے لگا۔ صبح کو اس نے یہ واقعہ رسول خدا سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہ  
رحمت تھی جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔

(۲۵) عَنِ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ  
مِّنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَالِ. (مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے ابو دردار کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا جو سورۃ کہف کی اول  
سے دس آیت یاد کرے دجال سے محفوظ رہے۔

(۲۶) عَنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ  
يَسْرٌ. (ترمذی۔ دارمی۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں دارمی، ترمذی سے ہے انس کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
ہر شے کے لئے قلب ہے اور قرآن کا قلب سورۃ یس ہے۔

(۲۷) عَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَرَأَ طَهَ وَ  
يَسَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْفِعْرِ عَامٍ. (دارمی۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں دارمی سے ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ  
تعالیٰ نے آسمان و زمین کے ایک ہزار قبل سورہ طہ اور سورہ یس پڑھی۔

(۲۸) عَنِ جَابِرِ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الْمَدَّ تَنْزِيلًا وَ  
تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمَلَكُ. (احمد۔ دارمی۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں احمد، دارمی، ترمذی سے ہے۔ جابر کہتے ہیں آنحضرت جب تک سورہ الم  
تَنْزِيلِ اور سورہ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمَلَكُ نہیں پڑھ لیتے تھے سوتے نہیں تھے۔

(۲۹) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْرَعُ سُورَةَ هُودٍ. أَوْ سُورَةَ يُوسُفَ قَالَ

لَنْ تَقْرَأَ شَيْئًا أَبْلَغَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ قُلِّ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ. (احمد دارمی، نسائی، مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں احمد دارمی، نسائی سے ہے عقبہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ سورہ ہود اور سورہ یوسف پڑھا کروں فرمایا قل اعوذ برب الفلق اس سے زیادہ بلیغ ہے۔

(۳۰) عَنْ عَلِيِّ بْنِ رِضَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِكُلِّ شَيْءٍ عَرُوسٌ وَ

عَرُوسُ الْقُرْآنِ الرَّحْمَنُ. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں ہے علی رضی اللہ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ ہر شے کے لئے زینت ہے اور قرآن کی زینت سورہ رحمن ہے۔

(۳۱) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ

فِي كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں ہے ابن مسعود کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہر رات میں سورہ واقعہ پڑھے محتاج نہ ہوگا۔

(۳۲) عَنْ أَنَسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بِنِ كَعْبٍ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي

أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَالُوا قَالَ أَسْمَانِي قَالَ نَعَمْ فَبَكَى. متفق عليه. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے انس کہتے ہیں کہ آنحضرت نے اُبی سے فرمایا خدا کا حکم ہے کہ میں سورہ لم یکن اللذین تمہیں سناؤں اُبی نے عرض کیا خدا نے کیا میرا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر اُبی پر گریہ کی حالت طاری ہو گئی۔

ان کے سوا اور بہت ایسی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی سورتیں آپ کے عہد مبارک میں مرتب پڑھی جاتی تھیں اور صحابہ اُس سے واقف تھے لیکن طوالت کے خوف سے محض اسی قدر حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند اور حق پسند کے لئے اس قدر حدیثیں بھی کافی ہیں البتہ جن کے دل میں فہم کا نور اور انصاف کا ذوق اور حق کی لذت نہیں وہ آفتاب کی روشنی میں بھی راستہ نہیں دیکھ سکتے گو یہ بعض حدیثیں جن میں قرآن کی چند سورتوں کا بیان ہے۔ قرآن کے تمام سورتوں کی ترتیب کے لئے شاہد ہیں مگر مزید اطمینان کے لئے ایسی حدیثیں بھی لکھتا ہوں جن سے قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب پر روشنی پڑے۔

(۱) عَنْ زُرَّارَةَ بِنِ ابْنِ أَدْنَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّحَ أَيْ الْعَمَلِ أَفْضَلَ قَالَ

الْحَالُ الْمُرْتَجِلُ قَبْلَ مَا الْحَالُ الْمُرْتَجِلُ قَالَ صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَقْرَأُ عَنِ أَوَّلِ الْقُرْآنِ إِلَى آخِرِهِ وَمِنْ

آخِرِهِ إِلَى أَوَّلِهِ كَمَا حَلَّ أَرْتَحَلُ. (دارمی ص ۲۲۲)

ترجمہ:- دارمی میں زرارہ سے ہے آنحضرت سے دریافت کیا گیا کہ نسا عمل تمام میں بہتر ہے فرمایا اترنا اور سفر کرنا۔ پوچھا گیا کس طرح۔ فرمایا قرآن دان جو قرآن کو اول سے آخر تک پڑھے پھر آخر سے اول قرآن کی طرف عود کرے یعنی دوبارہ شروع کر دے۔

یہ حدیث اس فیصلہ اور تصدیق کے لئے کافی ضمانت ہے کہ قرآن آپ کے زمانہ میں مرتب تھا۔ کیونکہ اول و آخر کی تعیین بلا ترتیب اور غیر مرتب میں ناممکن ہے۔

(۲) عَنْ عَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ مَا مِنْ الْمَفْصَلِ سُورَةٍ صَغِيرَةٍ وَلَا كَبِيرَةٍ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَمِّرُ بِهَا النَّاسَ (مالک)  
(مشکوٰۃ باب القرارة)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں مالک سے ہے کہ عمرو کے باپ نے اپنے دادا سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں مفصل میں کوئی ایسی چھوٹی بڑی سورت نہیں جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے نماز میں نہ سنی ہو یعنی مفصل کی تمام سورتیں آپ سے سنی ہیں۔

(۳) عَنْ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَقَرَّنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَبْعَةً فِي الْقُرْآنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمَفْصَلِ وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَبْعَتَيْنِ - (ابن ماجہ ابوداؤد، مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ابوداؤد، ابن ماجہ سے ہے عمرو کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن میں مجھے پندرہ سجدے پڑھائے جس میں سے مفصل میں تین اور سورہ حج میں دو ہیں۔ ان عمرو بن العاص (جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھایا۔ اور قرآن میں پندرہ سجدے بتائے) کے بیٹے عبداللہ پورے قرآن کے حافظ تھے اور ہر روز رات میں تمام قرآن تہجد میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ عبداللہ کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا بھی تھا جیسا میں پہلے لکھا آیا ہوں۔ عمرو عبداللہ۔ ابوالدرداء وغیرہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ترتیب سے تمام قرآن پڑھایا وہی ترتیب قرآن کی آسانی تھی اور اسی ترتیب سے صحابہ نے لکھا اور یاد کیا۔ اور آج تک اسی طرح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔

(۴) وَصَحَّ عَنْ عَائِشَةَ أُعْطِيَتْ مَكَانَ التَّوْرَةِ السَّبْعَ الطَّوَالَ وَأُعْطِيَتْ مَكَانَ الزُّبُورِ الْمِثْنَيْنِ وَأُعْطِيَتْ مَكَانَ الْإِنْجِيلِ السَّبْعَ الْمَثَانِي وَفُضِّلَتْ بِالْمَفْصَلِ - وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْقُرْآنَ كَانَ مُؤَلَّفًا مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ وَإِنَّمَا جُمِعَ فِي الْمَصْغَفِ عَلَى شَيْءٍ وَاحِدٍ وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ سُورَةَ الْإِنْفَالِ سُورَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ وَلَيْسَتْ مِنْ بَرَاءَةِ وَالسَّبْعَ الطَّوَالَ الْبَقْرَةَ وَالْأَمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْأَنْعَامَ وَالْأَعْرَافَ وَالْيُوسُفَ وَالْمُتُونِ مَا كَانَ فِيهِ مِائَةٌ آيَةٍ أَوْ قَرِيبَ مِئَةٍ بِزِيَادَةٍ يُسِيرَةٌ أَوْ نَقْصَانٍ يُسِيرٌ مِثْلًا مَنَارِ الْهَدْيِ -

ترجمہ :- منار الہدیٰ میں ہے۔ یعنی حضرت عائشہ سے صحیح طور سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بجائے تورت کے مجھے قرآن میں سات بڑی سورتیں دی گئیں اور بجائے زبور میں دئے گئے۔ اور بجائے انجیل سبع مثانی اور مفصل ان سے زائد دئے گئے۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن آنحضرتؐ کے عہد میں مرتب تھا۔ کیونکہ جو ترتیب اس حدیث میں ہے وہی ترتیب قرآن کی اس وقت ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ انفال مستقل سورت ہے اور سورہ براءۃ کا حصہ نہیں ہے۔ صاحب منار الہدیٰ نے تو اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کیا۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے جیسا کہ اتقان سیوطی میں ہے۔

الغرض بانی اسلام نے سورتوں کی آیات میں اور سورتوں میں جو ترتیب قائم کی اور ہزاروں صحابہ نے آپ سے جس ترتیب سے سنا اور آپ نے پڑھا یا لکھا یا اسی ترتیب سے صحابہ نے یاد کیا اور لکھا۔ اور ان کے بعد تابعین نے بھی صحابہ سے جو ترتیب سنی یا لکھی وہ وہی ترتیب تھی جو بانی اسلام کے عہد میں قائم ہو چکی تھی اور نسلاً بعد نسل اسی طرح سے اس وقت تک محفوظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں اکثر ملک عرب کی سرزمین آفتاب اسلام سے منور ہو چکی تھی۔ مغرب میں بحر احمر سے یمن کے کنارے کنارے خلیج فارس تک پہنچ گیا تھا۔ بحرین، نجد، عمان، یمن، طائف، مکہ، مدینہ۔ ان تمام بڑے بڑے شہروں اور ان کے اطراف دیہاتوں اور تمام قبائل میں اسی وحدہ لا شریک لہ کی پانچوں وقت باواز بلند منادی کی جاتی تھی۔ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ پچیس ہزار مسلمانوں کو آنحضرتؐ کی ہر کابی کا فخر حاصل تھا اور ان کے سوا لاکھوں کی تعداد میں تمام عرب میں مسلمان پھیلے ہوئے تھے۔ ہر مسلمان پر پانچ وقت نماز میں قرآن پڑھنا لازمی تھا جن میں ایسے مسلمان بھی کثرت سے تھے جو رات کے آخر حصہ میں جاگتے، قرآن پڑھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں مسلمانوں نے نماز میں قرآن بار بار سنا بلکہ اس کثرت سے سنا گیا کہ بعض کو سنتے سنتے پوری سورتیں یاد ہو گئی تھیں۔ ہر رمضان میں پورے قرآن کا آپ دور کرتے جس میں صحابہ بھی شریک ہوتے۔ ہزاروں صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی قرآن پڑھایا اور نیز یہ بھی عام طور سے فرما دیا۔

إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشْرَهُ  
وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ أَوْ مَصْحَفًا وَرَكَّةً أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لَابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا  
أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صَعْتِهِ وَحَيَاتِهِ تَلَحُّقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ۔

(مشکوٰۃ۔ کتاب العلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ :- یعنی مسلمان کو مرنے کے بعد بھی اس کے اعمال سے ان اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے (۱) وہ علم جس کو لوگوں میں شائع کرے اور تعلیم دے (۲) اولاد صالح (۳) لکھائے ہوئے قرآن کو اپنے مال متروکہ میں چھوڑے (۴) مسجد بنائے (۵) مسافر خانہ بنائے (۶) نہر نکلوائے (۷) اپنی صحت میں صدقہ نکالے۔

آنحضرتؐ کے اس فرمان کے بعد کون ایسا مسلمان ہوگا جس نے قرآن کے لکھانے کی کوشش نہ کی ہوگی اور کیا اس کے بعد بھی صحابہ نے قرآن نہ لکھائے ہوں گے۔ الغرض آپ کی زندگی کا اعلیٰ مقصد صرف قرآن کی تعلیم تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں تمام سرزمین عرب پر آپ کی طرف سے قرآن کے معلمین اور مبلغین بھیجے ہوئے تھے اور تمام عرب گھر گھر اور پتہ سے لے کر بوڑھے تک مرد سے لے کر عورت تک ہر شخص کی زبان پر قرآن کا ذکر اور اس کا ذوق تھا اور اس کی دلفریب اور دلکش عجیب و غریب طرز نے ہر شخص کو اپنا فریفتہ اور گرویدہ بنا لیا تھا۔ ہر مسلمان کو کم و بیش قرآن یاد تھا۔ اور ہزاروں ایسے تھے جن کو قرآن تمام و کمال حفظ تھا اور ہزاروں کی تعداد میں لکھا ہوا قرآن بھی ان میں تھا اور ان حفاظ کے دل اور اوراق کے صفحات پر اسی ترتیب سے منقش اور لکھا ہوا تھا جو معلم اول اور اسلام کے داعی سے انہوں نے سیکھا اور سنا تھا۔ آخری رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے دو بار ختم کئے اور اس میں ابن مسعود اور زید بن ثابت بھی برابر موجود رہے اور تمام و کمال قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ابن قتیبہ نے معارف میں زید بن ثابت کے احوال میں لکھا ہے۔

كَانَ آخِرَ عَرْضِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ عَلَى مُضَحِّفِهِ وَهُوَ أَقْرَبُ الْمَصَاحِفِ مِنْ مُضَحِّفِنَا وَقَدْ كَتَبَ زَيْدٌ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -

زید نے اخیر میں اپنا لکھا ہوا قرآن آنحضرت کو سنایا اور زید کے اس قرآن کی ترتیب ہمارے قرآن کی تھی۔ اور زید نے حضرت عمرؓ کے لئے بھی ایک قرآن لکھا تھا۔

صحیح بخاری کی کتاب فضائل القرآن کے باب كَانَ جِبْرِيلُ يُعَارِضُ الْقُرْآنَ فِيهِ -

عَنْ فَاطِمَةَ، أَسْتَرَأَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جِبْرِيلَ يُعَارِضُنِي بِالْقُرْآنِ كُلِّ سَنَةٍ وَإِنَّهُ عَارِضُنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أَرَاهُ إِلَّا خَصْرًا أَجَلِي -

فاطمہ نے فرمایا آنحضرت نے رازداری کے طور سے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبریل ہر سال قرآن کا ایک بار مجھ سے دور کرتے تھے مگر اس سال دوبار کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آفتاب نبوت غروب ہوا چاہتا ہے۔ جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے اس آخر وقت میں دور کیا تھا وہی ترتیب قرآن کی آج تک مسلمانوں میں ہے اور تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں۔ چنانچہ مولانا بحر العلوم شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔



(۱) وَإيضاً ظهراً من هذا ان الترتيب الذي يقرأ عليه القرآن ثابت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن القراء العشرة بإسنادهم هم الصحاح المجمع على صحتها نقلوا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قراءتهم وقرءوا على هذا الترتيب ونقلوا ان شيونهم اقرءهم هكذا وشيوخ شيونهم اقرءهم هكذا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (شرح مسلم بحر العلوم مصر ص ۱۰)

ترجمہ :- یہاں سے معلوم ہوا قرآن کی یہ ترتیب جس پر وہ آج ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لئے کہ وہ دس قاری جن کی قرارت اسلامی دنیا میں باتفاق مقبول ہے ان میں نے اپنی ایسی صحیح سندوں سے جس کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے قرآن کو اسی ترتیب سے آنحضرت سے نقل کیا اور ان کے استادوں نے انہیں اسی طرح سے پڑھایا اور بتایا ہے۔ اسی طرح سے برابر یہ سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

مولوی سید محمد صاحب فاضل شیعہ تنزیہ القرآن میں مولوی سید مرتضیٰ علم الہدی سے نقل ہیں۔  
(۲) ان القرآن كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مجموعاً مؤلفاً على ما هو عليه الان وكان يدرس ويحفظ جميعه في ذلك الزمان وانه كان يعرض على النبي صلى الله عليه وسلم ويتلى عليه وان جماعة من الصحابة كعبد الله بن مسعود وابي بن كعب وغيرهم ختموا القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم عدة ختمات وكل ذلك باذني تاهل يدل على انه كان مجموعاً مرتباً غير مشهور ولا مبثوث. (تنزیہ الفرقان ص ۲۹۳ و تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۲۱)

ترجمہ :- قرآن جس ترتیب پر آج ہے آنحضرت کے مبارک عہد میں بھی وہ اسی طرح مرتب تھا اور اسی طرح سے اس وقت پڑھا یا جاتا تھا اور اسی طرح سے یاد کیا گیا۔ اور رسول خدا کو اسی طرح سے سنا تے اور آپ کے سامنے پڑھتے تھے اور صحابہ کی بڑی جماعت نے (جس میں ابن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہم ہیں) اکثر بار آنحضرت کو پورا قرآن سنا یا جس سے صاف روشن ہے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب تھا نہ متفرق غیر مرتب۔

(۳) عن ابن وهب قال سمعت مالكا يقول انما الف القرآن على ما كانوا يسمعون من النبي صلى الله عليه وسلم. (اتقان)

ترجمہ :- اتقان میں ابن وہب سے ہے کہ انہوں نے امام مالک سے سنا قرآن جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا گیا ویسے ہی ترتیب دیا گیا ہے۔

(۴) قال البغوي في شرح السنة الصحابة جمعوا بين الدفتين القرآن الذي انزله الله على رسوله فكتبوه كما سمعوه من رسول الله صلى الله عليه وسلم من غير ان قد مواشياً او

اُخْرُوا أَوْضَعُوهُ تَرْتِيبًا لَمْ يَأْخُذُوهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَقِّنُ أَصْحَابَهُ وَيُعَلِّمُهُمْ مَا نَزَلَ عَلَيْهِ مِنَ الْقُرْآنِ عَلَى التَّرْتِيبِ الَّذِي هُوَ لَانَ فِي مَصَاحِفِنَا أَنْتَهَى مُلَخَّصًا. (اتقان)

ترجمہ :- اتقان میں ہے امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن آنحضرت پر نازل کیا صحابہ نے اُسے ویسے ہی لکھا جیسا آنحضرت سے سنا بلا تقدیم و تاخیر کے اور نہ اپنی طرف سے کوئی ایسی ترتیب قائم کی جو رسول اللہ نے قائم نہ کی تھی اور نہ آپ سے سنی تھی آنحضرت نے اپنے صحابہ کو خدا کا نازل کردہ قرآن اسی ترتیب سے بتایا اور سکھلایا جو ترتیب قرآن کی اس وقت ہو۔ (۵) قَالَ ابْنُ الْحَصَارِ تَرْتِيبُ السُّورِ وَوَضْعُ الْآيَاتِ مَوَاضِعَهَا إِنَّمَا كَانَ بِالْوَحْيِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ضَعُوا آيَةَ كَذَا فِي مَوْضِعِ كَذَا وَقَدْ حَصَلَ الْيَقِينُ مِنَ النَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ بِهَذَا التَّرْتِيبِ مِنْ تِلَاوَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ الْأَجْمَعُ الصَّاحِبَةُ عَلَى وَضْعِهِ هَكَذَا فِي الْمَصْحَفِ۔

ترجمہ :- اتقان میں ہے ابن حصار کہتے ہیں۔ سورتوں میں آیتوں کی اپنے اپنے موقع پر ترتیب اور قرآن میں سورتوں کی اپنی اپنی جگہ پر ترتیب کی بھی آنحضرت پر وحی ہوتی اور آنحضرت اسی وحی کے موافق ہر آیت اور سورت کا موقع بیان فرمادیتے تھے اور اسی کے موافق صحابہ لکھتے پڑھتے۔ تو اتر سے ہمیں اس کا یقین ہے کہ آنحضرت قرآن کو اسی ترتیب سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے تمام صحابہ نے اسی ترتیب پر اجماع کیا۔

(۶) قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ الْغَسَّاسُ الْمُخْتَارَانِ تَأْلِيفَ السُّورِ عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (اتقان)

ترجمہ :- اتقان میں ہے۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ یہ ترتیب قرآن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے۔

(۷) قَالَ الشَّيْخُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ نَوَوِيٌّ فِي كِتَابِ التَّبْيَانِ فِي آدَابِ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ إِنَّ الْقُرْآنَ الْعَزِيزَ كَانَ مُؤَلَّفًا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا هُوَ فِي الْمَصَاحِفِ الْيَوْمِ۔ (تاریخ ابن الوروی)

ترجمہ :- امام نووی نے تبیان فی آداب حملہ القرآن میں لکھا ہے جس طرح قرآن اس وقت مرتب ہے اسی ترتیب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔

(۸) ولیم میور صاحب لائف آف محمدج احمد مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء میں لکھتے ہیں :-

اور عرب کا حافظہ کیسا ہی دیریا کیوں نہ ہوتا ہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جائیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے۔ لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مجزی نقلیں جن میں

کل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبر کی حیات میں لکھوائی تھیں۔ جب کہ ان لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو چیز ایسی حفاظتِ شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بلکہ احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی۔ (تاریخ محمدی مولفہ مولوی فیروز الدین) اور اس کے بعد پھر آنریبل فاضل موصوف لکھتے ہیں: علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اُس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں۔ ایک صحیح روایت میں جس میں عمرؓ کے مسلمان ہونے کی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورۃ کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمرؓ کی بہن کے گھر میں ان کے ذاتی مصرف کے لئے تھی یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جو ہجرت سے تین یا چار برس پیشتر گذرا۔ تو اگر اس قدر قدیم زمانے میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں۔ درآنحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر کو فوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لئے شریعت قرار پائی تو اس وقت قرآن کے نسخے کثرت سے بڑھ گئے ہوں گے۔

(۹۱) فاضل محمد بن الحسن حرہ اہل شیعہ لکھتے ہیں: "ہر کسے کہ تتبع اخبار و تفحص تواریخ و آثار نمودہ بعلم یقینی میداند کہ قرآن در غایت و اعلیٰ درجہ تو اتر بودہ و آفات صحابہ حفظ و نقل می کردند۔ ان در عہد رسول خدا مجموع مولف بود۔"

ان کے سوا بھی اگر یہ خیال کیا جائے کہ علمائے اسلام نے جبکہ قرآن کے سوا آنحضرتؐ کی حدیث میں بھی یہ احتیاط کی ہے کہ کوئی قرآن و حدیث کی تعلیم اُس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک وہ قرآن اور حدیث کسی ایسے فاضل و عالم کو سنا کر سند حاصل نہ کرے۔ جس نے اپنے استاد سے اس نے اپنے استاد سے سند حاصل کی ہو۔ اسی طرح سے آنحضرتؐ پر اس زنجیر کی آخری کڑی منتهی ہو۔ اور جو شخص بلا اس زنجیر کی کڑی کی گرفت کے محض اپنی علمی قابلیت کے اعتماد پر تعلیم دینا چاہے تو ہرگز کوئی مسلمان اس کے آگے زانوں سے تلمذ نہ کرے گا تا وقتیکہ وہ اپنے قرآن اور حدیث کے سماع کو معتبر شخص سے ثابت نہ کرتے اور اس میں اور آنحضرتؐ میں جو واسطے ہیں ان کی پرہیزگاری اور دینداری ثابت نہ ہو۔ اسلامی دنیا میں اس وقت جس قدر حفاظ اور قرآن کے قاری ہیں وہ تمام اسی قرآن کی سماعت کے مختلف واسطوں سے آنحضرتؐ تک پہنچاتے ہیں اور ہر ایک قاری اور حافظ کی سند کا آخری شخص اسی قرآن مرتب کی بلا تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے اپنی سماعت آنحضرتؐ سے بیان کرتا ہے۔ تو اب جب یہی قرآن اس سلسلے سے ہمارے حفاظ اور قراء تک پہنچا ہے اور تمام حفاظ اور قاری اسی قرآن کی سند کو بعینہ اسی ترتیب اور الفاظ سے آنحضرتؐ تک پہنچاتے ہیں۔ اور ہر ایک کی سند کا منتهی آنحضرتؐ پر ہے۔ اور محض لکھے ہوئے پر اعتماد نہیں کیا گیا اور یہ سلسلے اور سندیں جو آنحضرتؐ تک پہنچتے ہیں اس کثرت سے ہیں جو تو اتر کی حدود سے

بہت زیادہ اور آگے بڑھ جاتے ہیں تو تنہا تمام حفاظ اور قرار کا اسی قرآن مرتب کو آنحضرت سے روایت کرنا اس امر کے لئے کافی شہادت ہے کہ یہ ترتیب سرور کائنات کی دی ہوئی ہے اور اب اس فیصلہ اور یقین کے لئے اس کے سامنے کسی خارجی شہادت کی احتیاج نہیں اور تنہا یہی دوسری دلیلوں سے بے نیاز اور مستغنی بنا دیتی ہے۔ پس جب اس دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ قرآن وہی ہے، جو آنحضرت نے اپنے بعد چھوڑا اور اپنی امت کو تعلیم کیا اور جس ترتیب اور طریقہ سے آپ نے تعلیم کیا وہ بلا کسی تغیر کے بعینہ وہی ہی موجود ہے۔ اور اس موجودہ قرآن کی ترتیب بلاشبہ انوار نبوت کی روشنی میں انجام کو پہنچی ہے۔ پس علم اور یقین کی یہ عمارت جو تواتر کے بلند پہاڑ کی مضبوط چٹان پر قائم ہو اس سے وہ آگینہ جس کا خمیر خیر احاد سے ہوا اگر ٹکرائے تو بجز اس کے کہ خود پاش پاش ہو جائے اس مضبوط عمارت کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔ تواتر کی روشنی ایسی صاف اور لطیف اور تیز ہے جس کے روبرو خبر احاد کی ٹٹماتی روشنی ماند ہو جاتی ہے۔ اور اس آفتاب قلوب تاب کے طلوع ہوتے ہی خبر احاد کے کواکب تاریکی کی چادر میں پوشیدہ اور تمام کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور بے نیازی کی وجہ سے کسی کی اس پر نظر نہیں پڑتی بلکہ کسی شہادت اور خبر کا تواتر کے خلاف ہونا ہی اس کے کمزور اور بے وقعت ہونے پر نہایت ہی معتبر تمسک ہے جیسا کہ اصول فقہ میں ہے۔

اب بہت سے واقعات بے اختیار ہمیں اس پر مائل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے اپنے عہد میں قرآن کو مرتب کیا اور تعلیم دیا۔ بہت سے صحابہ نے آپ سے پورا لکھا اور نیز اس قدر اخبار کی اس پر شہادت ہے جو متواتر سے بھی زیادہ ہیں اور پھر قرآن کے حفاظ اور قرار کی وہ سندیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں اور درجہ تواتر پر ہیں۔ ان تینوں باتوں سے اگرچہ ہر ایک تنہا ہمارے دعوے پر کافی روشنی ڈالتا ہے مگر بعد ان تینوں باتوں (یعنی واقعات، اخبار، سندت) کے ہمارا یہ دعویٰ کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب تھا۔ جو ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی ترتیب سے صحابہ نے لکھا، یاد کیا۔ بہت سے نسخے قرآن کے اسی ترتیب سے لکھے ہوئے تھے اور بہت سے اس کے پورے حفاظ آپ کے عہد میں موجود تھے، ایسا روشن اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ اس کے سامنے مشکوک اور شبہات کی تاریکی کا پردہ خود بخود اٹھ جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی دریافت اور سمجھنے کے آلات ایسے ضعیف ہوں کہ اس روشنی کی تاب سے ان کی خیرگی اور بڑھ جائے، یا ان میں یہ آلات ہی نہ ہوں یا کسی اندرونی تاریکی اور عناد نے ان کے حواس کو معطل کر دیا ہو۔

اب میں یہاں علامہ ابن حزم کی وہ تحریر نقل کرتا ہوں جو علامہ موصوفی نے کتاب الفصل میں اس کے متعلق لکھی ہے :-

مَنْ قَالَ إِنَّ تَقْسِيمَ آيَاتٍ وَتَرْتِيبَ مَوَاضِعِ سُورَةٍ فَعَلَهُ النَّاسُ لَيْسَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَلَا مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ كَذَبَ هَذَا الْجَاهِلُ وَأَفْكَ أَتْرَاهُ مَا سَمِعَ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى مَا نَنْسُخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا وَقَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ فِي آيَةِ الْكُوفِيِّ وَآيَةِ الْكَلَالَةِ وَالْخَيْرَانَةُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْمُرُ إِذَا أَنْزَلَتِ الْآيَةُ أَنْ يَجْعَلَ فِي سُورَةٍ كَذَا فِي مَوْضِعٍ كَذَا وَلَوْ أَنَّ النَّاسَ رَتَبُوا سُورَةَ لَمَّا تَعَدَّ وَاحِدًا وَجُوهَ فَلَانَتْ إِمَانٌ يَرْتَبُوهَا عَلَى الْأَوَّلِ فَالْأَدَلِ نَزُولًا أَوِ الْأَطْوَلِ فَمَا دُونَهُ أَوِ الْأَقْصَرِ فَمَا دُونَهُ فَإِذْ لَيْسَ ذَلِكَ كَذَلِكَ فَقَدْ صَحَّ أَنَّهُ أَمْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي لَا يُعَارِضُ عَنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَجُوزُ غَيْرُ ذَلِكَ أَصْلًا. (ص ۳۱ جلد ۲)

ترجمہ :- جو کہے کہ قرآن میں آیتیں خدا اور رسول کے سوا کسی انسان نے قرار دی ہیں اور اسی طرح سورتوں کی ترتیب کو کہے تو ایسا شخص جاہل ہے اور جھوٹا ہے اور مفتی ہے کیا اُسے قرآن پاک کی یہ آیت مَا نَنْسُخُ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنسِهَا اَوْ مِثْلَهَا اور کلالہ اور آیتہ الکرسی کے بارے میں حدیثیں نہیں سنیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات اور سورتیں تمام خدا تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی ہیں اور ترتیب دی ہوئی ہیں اور کیا اس جاہل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آنحضرت پر جب کچھ نازل ہوتا تھا تو فوراً فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر لکھو۔ اس کے سوا بھی یہ خیال کرو کہ سورتوں میں ترتیب اگر انسان کی دی ہوئی ہوتی تو اُس کی تین صورتیں تھیں۔ اول یہ کہ بڑی سورتوں سے شروع کرتے اور سب سے چھوٹی پر ختم کرتے یا اس کا اُلٹا یعنی پہلے تمام سے چھوٹی پھر اُس سے بڑی اسی طرح تمام سے بڑی پر ختم کرتے یا شانِ نزول کے موافق رکھتے اور جبکہ قرآن کی موجودہ ترتیب میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ترتیب انسان کی دی ہوئی نہیں بلکہ آنحضرت نے خدا کے حکم سے دی ہے۔

اس موقع پر مجھے اُن روایات کے حال کا بیان اور تنقیح کرنا بھی ضروری ہے جس کی وجہ سے عوام اور نادانوں کو خصوصاً مخالفین کو بہت کچھ شکوک اور شبہات کا موقع ملتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے آج اصلی واقعہ پر ایسا تاریخی کا پردہ پڑ گیا کہ اُس سے عوام تو کیا خواص بھی منالطہ میں پڑ گئے۔

وہ روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں قرآن کی آخر کی دوسورت یعنی معوذتین لکھی ہوئی تھیں اور ابن مسعود قرآن سے ان دونوں سورتوں کو ہٹا دیتے اور کہتے کہ یہ قرآن کی سورتیں

### اشتباہ کی ایک روایت

وہ روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں قرآن کی آخر کی دوسورت یعنی معوذتین لکھی ہوئی تھیں اور ابن مسعود قرآن سے ان دونوں سورتوں کو ہٹا دیتے اور کہتے کہ یہ قرآن کی سورتیں

نہیں۔ اور جو قرآن نہیں اُسے قرآن میں لکھنا نہ چاہیے۔ لہ

چونکہ ان روایات سے ظاہری یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تمام قرآن مرتب لکھا ہوا نہ تھا اور صحابہ کو اس ترتیب سے پورا یاد نہ تھا۔ ورنہ ابن مسعود جو صحابہ میں بڑے ذی فضل و کمال اور جلیل القدر عالم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلوت اور جلوت میں ابتداء نبوت سے آخر تک رہے اس سے ناواقف نہ ہوتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں پر کافی روشنی ڈالی جائے۔

معوزتان کے متعلق ابن مسعود سے تین شخصوں کی روایات ہیں (۱) عبدالرحمن بن یزید (۲) علقمہ (۳) زر بن حبیش۔

## عبدالرحمن بن یزید کی روایت

(۱) عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي اسْحَقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُحَاكُّ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقْرُلُ إِنَّهُمَا لَيَسْتَأْمِنُ كِتَابَ اللَّهِ، اتقان میں ابن حجر سے من مَصَاحِفِهِ کی جگہ من المصحف کا لفظ ہے۔

ترجمہ :- (نسخی کی پہلی روایت) عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ابن مسعود قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کو اپنے قرآنوں سے پھیل دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ قرآن میں نہیں ہیں یعنی یہ قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔

(۲) عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أَحْمَدَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُحَاكُّ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ

لہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادی نے تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۱۲۱ سورۃ فاتحہ کے بیان میں لکھا ہے۔ لانه (ای ابن مسعود) لَمْ يَكْتُبِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ یعنی ابن مسعود نے معوذتین نہیں لکھیں اور پھر معوذتین پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ وَلَمْ يَكْتُبِ الْفَاتِحَةَ أَيْضًا لِإِعْتِقَادِ أَنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْقُرْآنِ مَعَاذَ اللَّهِ وَلَكِنْ لِلْإِكْتِفَاءِ بِحِفْظِهَا بِالْوَجُوبِ — قَرَأْتَهَا فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَخْشَى ضِيَاعَهَا۔ ۱۵ منہ۔ اور آپ نے سورۃ فاتحہ بھی نہیں لکھی ہے لیکن آپ کا نہ لکھنا اس بنا پر نہ تھا کہ وہ قرآن میں نہیں ہے۔ پناہ بہ خدا۔ بلکہ بوجہ اس کے حفظ کے اور بوجہ اس کے کہ اس کا پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ ۱۵ منہ۔ (زید عفی عنہ)

اس روایت کو ابن کثیر نے تفسیر میں اور سیوطی نے اتقان میں ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ فِي حَدِيثِ الْأَعْمَشِ اضْطِرَّابُ كَثِيرٍ وَهُوَ يَدَّ لَيْسُ وَرَمَّ يَدَّ لَيْسُ عَنْ ضَعِيفٍ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ اِفْسَدَ حَدِيثُ أَهْلِ الْكُوفَةِ أَبُو اسْحَقَ وَأَعْمَشُ وَكَذَلِكَ قَالَ مَعْبُودَةُ (میزان) یعنی اعمش کی حدیث میں بہت اختلاف ہے، اعمش حدیث میں تدلیس کرتا ہے اور ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتا ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ اعمش اور ابواسحق نے اہل کوفہ سے جو روایتیں کی ہیں وہ تمام ناسد ہیں۔

۱۵ قسطلانی شرح بخاری جلد ۹ ص ۱۲۹ قل اعوذ برب الفلق کی تفسیر۔

وَيَقُولُ إِنَّمَا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَوَّذَ بِهِمَا وَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللَّهِ يَقْرَأُ بِهِمَا وَيَقُولُ  
إِنَّمَا لَيْتَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ-

دوسری روایت۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ابن مسعود قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس  
کو قرآن سے چھیل دیتے تھے اور فرماتے کہ آنحضرت نے ان دونوں کو تعویذ بنانے کو فرمایا ہے اور نیز  
ابن مسعود ان دونوں کی تلاوت بھی نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ قرآن میں نہیں ہے۔

(۳) وَأَخْرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ فِي زِيَادَاتِ الْمُسْنَدِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ مَرْدَايَةَ مِنْ طَرِيقِ  
الْأَعْمَشِ مِنْ أَبِي إِمْحَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدٍ النَّخَعِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُحْكُمُ  
الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقُولُ إِنَّمَا لَيْتَا مِنْ الْقُرْآنِ أَوْ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ-

تیسری روایت۔ عبدالرحمن کہتے ہیں ابن مسعود قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس  
کو چھیل دیتے تھے اور فرماتے کہ یہ قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔

## علقمہ کی روایت

قَالَ حَدَّثَنَا الْأَدْرَقِيُّ بْنُ عَلِيٍّ ثنا حُسَيْنُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ ثنا الصَّلْتُ بْنُ بَهْرَامٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ  
عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُحْكُمُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ وَيَقُولُ إِنَّمَا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ أَنْ يُتَعَوَّذَ بِهِمَا وَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللَّهِ يَقْرَأُ بِهِمَا-

ترجمہ :- علقمہ کہتے ہیں ابن مسعود قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس کو قرآن سے  
چھیل دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت نے ان کی تعویذ بنانے کا حکم دیا ہے اور عبدالرحمن ابن مسعود ان  
کی تلاوت بھی نہیں کرتے تھے۔

وَأَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ هَاتَيْنِ  
السُّورَتَيْنِ فَقَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَقُولُوا كَمَا قُلْتُ-

ترجمہ :- طبرانی نے ابن مسعود کی روایت لکھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو سورتوں ...  
(معوذتین) کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا پس تم بھی کہو جیسا  
میں نے کہا ہے۔ (زید عنی عنہ)

۱۹۵۹ لے یعنی شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۹۵۹ لے تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابو یعلیٰ سے ادق سلطانی شرح بخاری میں ہے۔  
۱۹۶۰ لے قال ابن جبان ثقة يقرب صحاح میں اس سے روایت نہیں ہے۔ لے قال النسائي ليس بالقوي وقال ابن  
عدي حدثنا بأفرادات كثيرة وهو من أهل الصدق إلا أنه يغلط (میزان الاعتدال)۔  
۱۹۶۱ لے قال ابوحاتم لا عيب له إلا الأرجاء وكذا أنكم فيه أبو زرعة الأرجاء (میزان الاعتدال)  
۱۹۶۲ لے تفسیر درمنثور میں ہے ۱۲۔

## زرین حبیش کی حدیث

پہلی روایت: قَالَ أَحْمَدُ ثَنَا وَكَيْعٌ ثَنَا سَفِيَانُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زَرِّ بْنِ جَبِيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَنِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ فَقَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ قِيلَ لِي قُلْ فَقُلْتُ لَكُمْ فَقَوْلُوا قَالَ أَبِي فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَحْنُ نَقُولُ -

ترجمہ:- احمد نے وکیع سے انھوں نے سفیان سے انھوں نے عاصم سے اور وہ زر بن حبیش سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود سے معوذتین کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا، کہو پس میں نے تم لوگوں سے کہہ دیا پس تم کہو۔ آپ نے کہا ہے پس ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لہذا ہم کہتے ہیں۔ (زید عفی عنہ)

دوسری روایت: قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ ثَنَا عَفَّانٌ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ أُنَا عَاصِمٌ بْنُ بَهْدَلَةَ عَنْ زَرِّ بْنِ جَبِيْشٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي بِنِ كَعْبٍ إِنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ لَا يَكْتُبُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ فِي مَصْحَفِهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَنِي أَنَّ جَبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَهُ قُلْ اِعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ فَقُلْتُمْهَا قَالَ قُلْ اِعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ فَقُلْتُمْهَا فَتَحْنُ نَقُولُ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

ترجمہ:- امام احمد نے عفان سے انھوں نے حماد سے انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے زر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابی سے کہا ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے ہیں۔ ابی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا قل اعوذ برب الفلق اور میں نے کہا۔ اور کہا قل اعوذ برب الناس اور میں نے کہا۔ لہذا ہم کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عفی عنہ)

تیسری روایت: عَنْ سَفِيَانِ بْنِ عُيَيْنَةَ ثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ وَعَاصِمٌ بْنُ بَهْدَلَةَ أَنَّهُمَا سَمِعَا عَنْ زَرِّ بْنِ جَبِيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ كَعْبٍ عَنِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ فَقُلْتُ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَحْتَكُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنَ الْمَصْحَفِ فَقَالَ ابْنِي سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَتَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

ترجمہ:- سفیان بن عیینہ عبدہ اور عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے زر بن حبیش سے سنا کہ میں نے ابی بن کعب سے معوذتین کے متعلق کہا۔ اسے ابا المنذر آپ کے بھائی ابن مسعود

ابن کثیر اور سند امام احمد میں ہے ۱۲

۱۲ یہ تفسیر ابن کثیر میں ہے

ابو بکر الحیدری فی مسندہ ۱۲



معوذین کو مصحف سے کھرج دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا۔ مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا لہذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عنی عنہ)

چوتھی روایت: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ثَنَا سُفْيَانُ ثَنَا عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ زُرَّيْبِ بْنِ جَبْرِ قَالَ سُفْيَانٌ وَحَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ زُرَّيْبِ بْنِ جَبْرِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّكَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ إِنِّي سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَتَعْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: ہم سے علی بن عبد اللہ نے ان سے سفیان نے ان سے عبدہ ابی بابر نے زر سے اور سفیان نے عام سے بھی زر کی روایت سنی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے ابی بن کعب سے دریافت کیا اور ان سے کہا اے ابا المنذر آپ کے بھائی ابن مسعود یہ اور وہ کہتے ہیں۔ ابی نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا۔ پس ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عنی عنہ)

معوذین کے متعلق ابن مسعود سے ان تین نے یعنی عبدالرحمن، علقمہ، زر نے یہ روایت کی ہے۔ لیکن عبدالرحمن کے سوا کسی نے اپنی روایت میں ابن مسعود کا یہ قول نقل نہیں کیا (انہما لیتسآمن کتاب اللہ) یعنی یہ دونوں قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔ ابن مسعود کا انکار صرف عبدالرحمن نے نقل کیا ہے۔ ابن مسعود سے عبدالرحمن کی اس روایت کو چند باتوں نے مشتبہ کر دیا، لائق اعتبار نہ چھوڑا۔ اور صحت کے درجہ سے گرا دیا۔

(۱) ابن مسعود سے اس جملہ کی روایت میں عبدالرحمن منفرد ہے۔ علقمہ اور زر کی روایت میں یہ جملہ نہیں ہے۔

(۲) عبدالرحمن سے راوی ابواسحق ہے۔ ابواسحق کو میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ اس نے اہل کوفہ کی روایات کو فاسد کر دیا اور ان سے صحیح روایت نہیں کرتا۔ اور یہ روایت اہل کوفہ سے ہے۔

(۳) ابواسحق سے راوی اعمش ہے۔ اعمش کو میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ مدلس ہے ضعفار سے تدلیس کرتا ہے۔ اس کی حدیثوں میں بہت اضطراب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ اس نے اہل کوفہ کی حدیثوں کو فاسد کر دیا۔ ان سے اس کی روایت صحیح نہیں ہوتی۔

(۴) اعمش شیعہ ہے اور یہ روایت چونکہ عام شیعوں کے خیالات کی تائید کرتی ہے اس لئے اعمش شیعہ کی ایسی حدیث قابل تنقیح ہے۔

(۵) اعمش یا ابوالاسحق ان دونوں میں سے تنہا ایک ہی اہل کوفہ کی روایت کو فاسد کر دیتا ہے تو جس روایت میں یہ دونوں جمع ہوں اُس کا فساد بھی دوگنا ہو جائیگا۔

(۶) ابن مسعود صحابہ میں ممتاز فاضل اور ذی کمال صحابی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے مسندِ تعلیم کو عزت دی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں کسی نے اس قدر تعلیم نہیں دی۔ خلیفہ دوم کے عہد سے آخر عمر تک کوفہ میں انہیں کا دارالعلوم کھلا ہوا تھا۔ تمام اہل کوفہ نے انہیں کے دامن فیض میں تربیت پائی۔ تمام اسلامی دنیا میں خصوصاً کوفہ میں ہزاروں اُن کے شاگرد ایسے تھے جو مسندِ افتاء اور قضا اور تدریس پر ممتاز تھے۔ اس لئے یہ امر نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کہ ابن مسعود کے ہزاروں شاگردوں میں سے کوئی ایسی روایت نہیں کرتا۔ ہزاروں شاگردوں سے عبدالرحمن کا اس میں متفرد ہونا اور ابوالاسحق کا یہ روایت کرنا اس کے عدم وثوق اور ضعیف ہونے پر ایسی شہادت ہے کہ اس کے بعد کسی گواہ کی حاجت نہیں رہتی۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ابن مسعود سے ہزاروں نے اسی قرآن کی روایت کی ہے۔ اور تو اتر سے ہمیں معلوم ہے کہ ابن مسعود نے اسی قرآن کا درس دیا ہے۔

(۷) ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی کا معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار اور اختلاف اُن اہم مسائل سے ہے جن کی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ ابن مسعود کے سوا کسی نے ایسی بات نہیں کہی اور اس میں ابن مسعود نے تمام صحابہ سے خلاف کیا اور اصولِ اسلام سے انکار کیا تو ایسی حالت میں ابن مسعود کی اس نقل سے اُن کے تمام شاگرد ضرور واقف ہوتے۔ اور روایت کرتے اور اپنے عہد میں ابن مسعود ضرور اس مسئلہ کی وجہ سے بنام ہوتے اور اُن پر نگلیاں اٹھتیں اور اسلام کا پتھر پتھر اس سے واقف ہوتا۔

(۸) علاوہ ان کے خود ابن مسعود نے ایسی روایت کی ہے جس سے معوذتین کا قرآن ہونا انظر من الشمس ہے۔

وَأَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ لَقَدْ أَنْزَلَ عَلَيَّ آيَاتٌ لَعْدِيئَةٌ مِثْلَهُنَّ الْمُعْذَوَّتَيْنِ۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۱۶)

ترجمہ: تفسیر درمنثور میں طبرانی سے ہے۔ ابن مسعود نے آنحضرت سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا بلاشک مجھ پر ایسی چند آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل نازل نہیں ہوئیں یعنی معوذتین اور اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعود کو یہ معلوم تھا کہ معوذتین آنحضرت پر نازل ہوئی ہیں اب اس علم کے بعد بھی کیا ابن مسعود سے یہ ممکن ہے کہ معوذتین کو قرآن سے خارج بتائیں۔ ابن مسعود

کی تو بڑی شان ہے۔ یہ تو عام مسلمان سے بھی ممکن نہیں۔

(۹) آنحضرت نے معوذتین کو نمازوں میں پڑھا۔ صحابہ کو ان کی تعلیم دی۔ صحابہ نے آپ سے اس کو سنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل اور ثواب کو بار بار بیان فرمایا۔ قرآن کی دوسری سورتوں سے جو ان کو فضیلت ہے وہ بھی بیان فرمائی اور تمام کتب حدیث خصوصاً صحاح میں معوذتین کے بارے میں متواتر روایات ہیں اس لئے صحابہ سے لے کر تمام امت کا معوذتین کے قرآن ہونے پر اتفاق ہے جیسے دیگر سورتوں پر اتفاق ہے۔ اب ایسی حالت میں ابن مسعود کا اس سے ناواقف ہونا ان واقعات سے ہے جس کے سمجھنے سے انسان کی عقل قاصر ہے۔ اور بجز اس کے صحیح عقل اور انصاف کا فتویٰ نہیں ہو سکتا کہ ابن مسعود کے پر دے میں کوئی ناپاک ضمیر ہے جس نے اپنے گندہ تزویر اور عیاری کو چھپایا ہے۔ ابن مسعود کا فضل و کمال اس خباثت اور گندگی کا ہرگز متحمل نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابن مسعود کے فضل و کمال کے دامن پر جو بدنام داغ دکھانے کی کوشش کی گئی وہ اس لئے باور نہیں ہوئی کہ وہ خود اپنے اندر اپنے جعل کی روشن شہادت رکھتی ہے۔

اس میں بھی سخت اختلاف ہے۔ ابن کثیر نے امام احمد سے زرعین حبیش کی روایت

وکیع عن سفیان کے واسطے سے اسے نقل کیا ہے اس میں زرعین کا بیان ہے کہ معوذتین کو میں نے ابن مسعود سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے انہیں رسول خدا سے دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے انہیں پڑھو میں نے بھی انہیں پڑھا ہے تم بھی پڑھو۔ پھر زرعین نے ابی سے دریافت کیا۔ ابی نے بھی بعینہ ہی جواب دیا۔ دوسری روایت امام بخاری نے علی بن عبداللہ بن سفیان کے واسطے سے نقل کی ہے اس میں زرعین نے ابی سے محض عبداللہ کا قول نقل کیا ہے لیکن اس قول کی کچھ تفصیل نہیں ہے صرف اسی قدر ہے۔ **إِنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ أَخَاكَ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا**۔ یعنی ابن مسعود فلاں فلاں بات کہتے ہیں۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ زرعین نے وہی مقولہ نقل کیا ہوگا جس کا امام احمد نے وکیع کے واسطے سے بیان کیا ہے اور اسی کی تائید اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس کو تفسیر و منشور میں طبرانی سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن مسعود نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کو دریافت کیا گیا تو آپ نے وہی جواب دیا جس کو ہم نے مسند امام احمد میں وکیع کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ زرعین کا یہ بیان اگر صحیح مانا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعود معوذتین کے قرآن ہونے کے منکر نہ تھے۔ تیسری روایت کو ابو بکر جمیدی نے سفیان سے نقل کیا ہے اس میں ان تینوں روایتوں کے خلاف ابن مسعود کا ابی سے فعل نقل کیا ہے نہ قول۔ اس روایت میں بجائے **يَقُولُ كَذَا وَكَذَا** کے یوں ہے **يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَمُوكَ الْمَعُودَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ** اسے ابو منذر آپ کے

بھائی ابن مسعود معوذتین کو مصحف میں سے مٹاتے ہیں) چوتھی روایت امام احمد کی وہ ہے جس کو حماد بن سلمہ نے عاصم کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اس میں بجائے یُحَاكُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ عَنِ الْمُصْحَفِ کے لَا يَكْتُبُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ فِي مُصْحَفِهِ ہے (یعنی مٹانے کی جگہ نہ لکھنے کا بیان ہے کہ آپ اپنے مصحف معوذتین کو نہیں لکھتے تھے) بہر حال اس مضطرب اور مختلف بیان سے ابن مسعود کا انکار ثابت ہونا نہایت مشکل ہے۔ اور ایسا بیان ہرگز گواہی میں قابل سماعت نہیں۔ زر کی اس روایت سے یہ فیصلہ مشکل ہے کہ ابن مسعود نے معوذتین سے انکار کیا اور ان کو قرآن کی سورتیں نہانتے تھے، بلکہ اس روایت میں غور اور تنقیح کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں وہ روایت صحیح ہے جس کو امام احمد نے وکیع عن سفیان کے واسطے سے نقل کیا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زر نے معوذتین کو پہلے ابن مسعود سے دریافت کیا اور پھر اُبی سے پوچھا۔ جو جواب ابن مسعود نے دیا تھا وہی اُبی نے دیا اور زر نے اُبی سے ابن مسعود کا جواب بھی نقل کیا تھا۔ اس لئے اس روایت کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ کیونکہ بخاری میں بھی یہی ہے کہ زر نے ابن مسعود کا کلام معوذتین کے بارے میں اُبی کے رو برو ذکر کیا نہ ابن مسعود کا فعل۔ اور طبرانی نے بھی ابن مسعود سے وہی روایت نقل کی ہے جس کو اُبی نے رسول خدا سے نقل کیا۔ بہر حال امام احمد کی اس روایت کی تاہید بخاری طبرانی دونوں کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو زر کی دوسری روایت پر ترجیح ہے اور اس وقت یہ روایت ابن مسعود کے اقرار کو ثابت کرے گی نہ انکار کو۔

اس روایت میں تین راوی ایسے ہیں جن کی وجہ سے روایت قابل تنقیح اور قابل بحث ہو گئی ہے۔

## علقمہ کی روایت

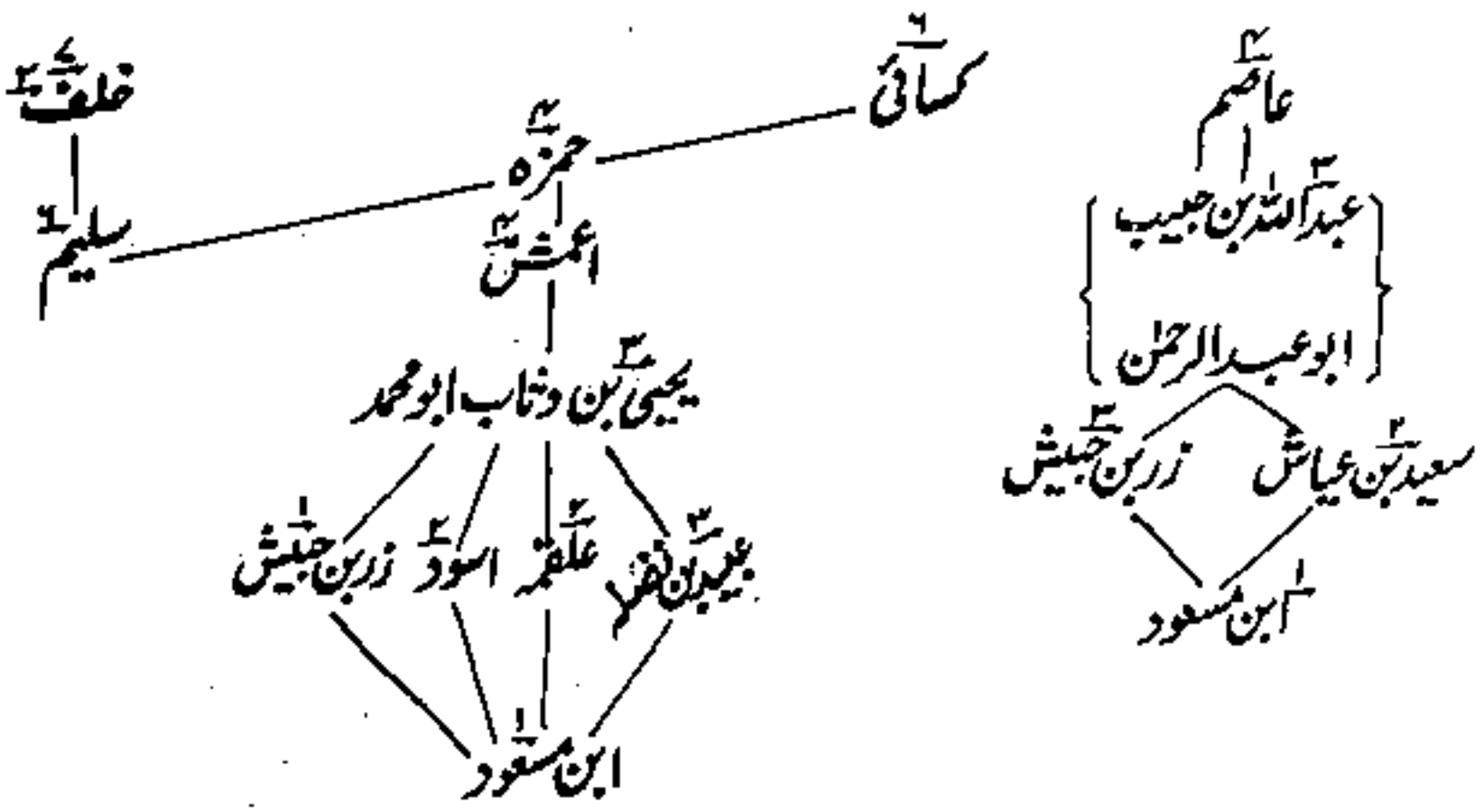
(۱) اوزق بن علی۔ گو یہ معتبر ہے لیکن غریب حدیثوں کی روایت کرتا ہے۔ اسی لئے صحاح میں اس سے روایت نہیں کی گئی۔

(۲) حسین بن ابراہیم۔ اگرچہ یہ بھی معتبر ہے لیکن امام نسائی کے نزدیک قابل وثوق نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کی روایت میں غلطی کرتے ہیں اور ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں جو کسی نے نہیں کیں۔

(۳) الصلت بن ابراہیم۔ معتبر ہیں مگر مرجحہ ہیں۔ ابو زر عہ نے ان کے اس مذہب کی وجہ سے ان پر جرح کی ہے۔ صحاح میں ان سے روایت نہیں ہے کسی روایت میں ان تینوں راوی سے اگر ایک بھی ہو تو وہ روایت مُعْتَلٌ ہو جائے گی۔ یعنی اس حدیث کی صحت میں فسق آجائے گا اور صحت کامل نہ رہے گی۔ اور جس روایت میں اس قسم کے تین راوی ہوں تو ایسی روایت ہرگز بلا تنقیح قابل وثوق نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ دوسری صحیح روایتوں

کے خلاف ہو اور اجماعِ امت کا مقابلہ کرے ایسی صورت میں تو صحیح روایت بھی قابلِ وثوق نہیں رہتی اور یہ مقابلہ اور مخالفت ہی خود اس کے ضعف اور وہابی ہونے پر نشان ہو جاتا ہے جیسا اصول فقہ میں لکھتے ہیں۔

الغرض اس بارے میں کہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن کی سورتیں نہیں کہتے تھے جس قدر روایتیں ہیں وہ اول تو مختلف اور مضطرب ہیں۔ اور مضطرب روایات اگرچہ وہ ثقہ اور دیندار راویوں کی کیوں نہ ہوں ہرگز لائقِ اعتبار اور قابلِ تسلیم نہیں ہیں۔ دوسرے ان تمام روایتوں کے راوی ایسے نہیں جن کی روایت صحیح ہو بلکہ یہ تمام روایات بوجہ راویوں کے ضعیف ہونے کے غیر معتبر ہیں۔ تیسرے اگر ان روایتوں میں اضطراب بھی نہ ہوتا اور ان کے راوی بھی دیندار متہم نہ ہوتے تو اس وقت بھی یہ قابلِ تسلیم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ابن مسعود سے بتواتر ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کا بجز کہتے تھے اور ائمہ قرآنہ نے بہ تواتر اپنی سندوں کو ابن مسعود تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ حفاظ اور قرآنِ قرآن سے عاصم، حمزہ، کسایی، خلف جو مشہور قرار سے ہیں اور ان کی صحت سند پر تمام امت کا اتفاق ہے اور تمام بلا و اسلامیہ میں ان کی سندیں ہزاروں حفاظ کے پاس ہیں۔ ان چاروں کو اسی قرآن کی سند جس میں معوذتین ہیں ابن مسعود سے ہے ہر ایک کی سند ملاحظہ ہو۔



اب ان سندوں کے مقابلہ میں جو متواتر ہیں اور صحت کا اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں دوسری ضعیف روایتوں کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علی بن ابی طالب ابی بن کعب سے بھی حفاظ قرآن اور قرار کے پاس اسی قرآن مرتب کی ایسی سند ہے جس کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے اور تمام نے انہی سے قبول کیا ہے اور درجہ تواتر اور صحت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔ اب ان کے مقابلہ

میں وہ روایات جن سے علیؑ یا ابن مسعودؓ یا ابی بن کعب کی تالیف اور ترتیب اس قرآن کے خلاف ثابت ہوتی ہے معتبر نہ ہوگی۔ اسی لئے علمائے اور مسلمانوں نے ایسی روایتوں کو جعلی اور بے اصل واہی کہا ہے۔ یہاں ہم ایسے چند علماء کے نام لکھتے ہیں جنہوں نے ان روایات کا اعتبار نہیں کیا۔

(۱) علامہ ابن حزم نے المحلی میں لکھا ہے:

هَذَا كَذِبٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ وَمَوْضُوعٌ وَإِنَّمَا صَحَّ عَنْهُ قِرَاءَةُ عَاصِمٍ عَنْ زَيْدٍ عِنْدَهُ وَفِيهَا الْمَعْوِذَتَانِ وَالْفَاتِحَةُ.

ترجمہ: معوذتین کے متعلق وہ روایتیں جن سے ابن مسعود کا انکار ثابت ہوتا ہے افتراء ہے اور جعلی ہیں کیونکہ عاصم کی سند میں ابن مسعود سے جو نہایت صحیح ہے معوذتین اور فاتحہ ہے۔

(۲) علامہ ابن حزم نے کتاب الفصل جلد ثانی ص ۷۷ میں لکھا ہے:

وَأَمَّا قَوْلُهُمْ أَنَّ مَصْحَفَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَحْلَانٌ مُصَحَّفًا فَبَاطِلٌ وَكَذِبٌ وَإِنَّكَ مَصْحَفُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ إِنَّمَا فِيهِ قِرَاءَتُهُ بِإِلْشَاكِ وَقِرَاءَتُهُ هِيَ قِرَاءَةُ عَاصِمٍ الْمَشْهُورَةِ عِنْدَ جَمِيعِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي شَرْقِ الدُّنْيَا وَغَرِبِهَا نَقَرُ بِهَا كَمَا ذَكَرْنَا.

ترجمہ: اور یہ بات کہ ابن مسعود کا قرآن ہمارے قرآن موجودہ کے خلاف ہے محض بہتان اور افتراء اور جھوٹ ہے۔ ہاں واقعی ان کا قرآن ان کی قرأت کے مطابق لکھا ہوا تھا اور ان کی قرأت وہی تھی جو قرآن سے عاصم کی قرأت ہے اور اس وقت تمام دنیا میں مشہور ہے یعنی محض قرأت کا فرق ہے نہ ترتیب کا۔

(۳) امام نووی نے لکھا ہے:

فِي شَرْحِ الْمَهْدِيِّ أَجْمَعَ الْمُشْلُوكُونَ عَلَى أَنَّ الْمَعْوِذَتَيْنِ وَالْفَاتِحَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَأَنَّ مَنْ جَدَّ مِنْهَا شَيْئًا كَفَرَ وَمَا نَقَلَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ غَيْرُ صَحِيحٍ.

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں۔ اس کا منکر کافر ہے۔ ابن مسعود سے اس کے متعلق روایات جعلی اور واہی ہیں۔

(۴) قاضی ابوبکر نے لکھا ہے:

لَمْ يَصِحَّ عَنْهُ أَنَّهُ لَيْسَتْ بِقُرْآنٍ وَلَا حِفْظَ عَنْهُ.

ترجمہ: معوذتین کا انکار صحیح طور سے ابن مسعود سے ثابت نہیں ہوا۔

(۵) امام رازی نے لکھا ہے:

وَأَلَّا غَلَبَ عَلَى الظَّنِّ أَنَّ نَقَلَ هَذَا الْمَذْهَبَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ نَقَلَ بَاطِلًا.

ترجمہ: ابن مسعود سے جو معوذتین کے متعلق نقل ہے وہ باطل ہے۔

(۶) علامہ بحر العلوم عبد العلی ابوالعیاش نے لکھا ہے:

نَسَبَتْ اِنْكَارًا كَوْنَهَا مِنَ الْقُرْآنِ اِلَيْهِ غَلَطًا فَاحْتِشُّ وَمَنْ اسْتَدَّ اِلَيْهِ اِنْكَارًا اِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ فَلَا  
يُعْبَأُ بِسَنَدِهِ عِنْدَ مُعَارَضَةِ هَذِهِ الْاَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ بِالْاِجْمَاعِ وَالْمُتَلَقَّاتِ بِالْقَبُولِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ  
الْكَرَامِ بَلْ وَالْاُمَّةُ كَافَّةً كُلُّهَا فَظَهَرَ اَنَّ نَسَبَتْ اِلَيْهِ اِنْكَارًا اِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ بِاطِلٍ - (شرح مسلم الثبوت ص ۱۳۱)

ترجمہ: عبد اللہ ابن مسعود کو معززین کا منکر بتانا نہایت ہی موٹی غلطی ہے۔ اس روایت  
کی سند اس قابل بھی نہیں کہ اس طرف توجہ کی جائے۔ کیونکہ یہ روایت ان صحیح سندوں کے خلاف  
ہے جس کی صحت پر اجماع ہے اور تمام علمائے کرام کے نزدیک مقبول ہیں۔ بلکہ تمام امت کے  
زودیک مقبول ہیں۔ پس یہ روایت غلط ہے۔

اور لکھا ہے۔ بَقِيَ اَمْرُ تَرْتِيبِ السُّورِ فَالْمُحَقِّقُونَ عَلَى اَنَّهُ مِنْ اَمْرِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَقِيلَ هَذَا التَّرْتِيبُ بِاِجْتِهَادِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَاسْتَدَّلَ عَلَيْهِ ابْنُ فَارِسٍ بِاِخْتِلَافِ  
الْمَصَاحِفِ فِي تَرْتِيبِ السُّورِ فَصَحَّفُ عَلَيْهِ كَمَا عَلَى تَرْتِيبِ النَّزُولِ وَمُصْحَفُ ابْنِ مَسْعُودٍ عَلَى غَيْرِ  
هَذَا الَّذِي اَلَانَ وَالْحَقُّ هُوَ الْاَوَّلُ وَهَذِهِ الرَّوَايَاتُ مُرْخَرَفَةٌ مُوهَمَةٌ وَلَمْ تَوْجِدْ فِي الْكُتُبِ  
الْمُعْتَبَرَةِ وَلَا يُعْبَأُ بِهَا فِي مُقَابَلَةِ التَّوَارِثِ الَّذِي جَرَى مِنْ لَدُنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
اِلَى الْاَنِّ -

ترجمہ: محققین علمائے کرام کے نزدیک سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے  
موافق ہے اور یہ قول کہ صحابہ نے اپنی رائے سے ترتیب دی اور اس پر یہ دلیل لانا کہ حضرت علی  
کرم اللہ وجہہ اور ابی بن کعب اور ابن مسعود کے قرآنوں کی جو ترتیب تھی وہ قرآن کی اس ترتیب  
کے مخالف تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب خود صحابہ نے دی تھی۔ ورنہ ان صحابہ کی ترتیب  
اس ترتیب کے خلاف نہ ہوتی یہ قول اور یہ دلیل صحیح نہیں ہاں پہلا قول صحیح ہے۔ اس لئے جن  
روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ کی ترتیب اس قرآن کے خلاف تھی وہ تمام جعلی اور  
نیچا پی ہیں واقعیت سے اُسے کچھ بھی تعلق نہیں کسی معتبر کتاب میں ایسی روایات نہیں ہیں اس  
لئے یہ روایات ہرگز اس قابل نہیں کہ ان پر توجہ کی جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ قرآن کی یہ  
ترتیب تمام امت سے آج تک منقول ہے اور تمام کا اس پر اتفاق ہے۔

اور لکھا ہے۔ وَ اَيْضًا ظَهَرَ مِنْ هَذَا اَنَّ التَّرْتِيبَ الَّذِي يُقْرَأُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ قَابِتٌ عَنْ رَسُولِ  
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانَّ الْقُرْآنَ الْعَشْرَةَ بِاَسَانِيدِهِمُ الصَّحَابِ الْاِجْمَاعِ عَلَى صِحَّتِهَا نَقَلُوا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى  
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَتَهُمْ وَقَرَعُوا عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ وَنَقَلُوا عَنْ شَيْوَنِهِمْ اَقْرَأُوهُمْ هَكَذَا وَشَيْوَنُهُمْ  
شَيْوَنِهِمْ اَقْرَأُوهُمْ هَكَذَا اِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (شرح مسلم بحر العلوم ص ۱۳۱)

ترجمہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن کی یہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ہے کیونکہ ان دنوں قاریوں نے جن کی سندیں متواتر ہیں اس قرآن کو اپنی سندوں سے آنحضرت تک پہنچایا اور اسی کا آنحضرت سے سماع ثابت کیا ہے اور ان قاریوں کی یہ سندیں نہایت ہی اعلیٰ درجہ میں صحیح ہیں اور تمام اُمتِ محمدیہ نے ان کی صحت پر وثوق کیا ہے اور تمام کا ان پر اتفاق ہے اور ہر ایک قاری یونہی نقل کرتا ہے کہ میں نے اپنے اُستاد سے اسی طرح قرآن کو سنا اور پھر یہ اُستاد اپنے اُستاد سے اسی طرح سماع بیان کرتا ہے یہاں تک کہ یہی سلسلہ آنحضرت تک پہنچتا ہے۔

**اشتباہ کی دوسری روایت** | ابن عباس کی ایک روایت ہے جس کو امام احمد ابو داؤد ترمذی، نسائی، ابن جہان، حاکم نے روایت کیا ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کی رائے سے ہوئی ہے اور وہ روایت یہ ہے۔  
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمُ عَلَىٰ أَنْ عَمِدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ وَهُوَ مِنَ الْمَثَانِي وَبِرَاءةِ وَهِيَ مِنَ الْمِيثِينَ فَقَرَأْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوا بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَوَضَعْتُمُوهَا فِي السَّبْعِ الطَّوَالِ فَقَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّورُذَوَاتِ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَّلَ عَلَيْهِ

فَيَقُولُ ضَعُوا هُوَ لَا آيَاتٍ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذَكِّرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتْ الْأَنْفَالُ مِنْ أَدَائِلِ مَا نَزَلَ بِالْمِثِينَةِ وَكَانَتْ بِرَاءةً مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نَزُولًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً لِقِصَّتِهَا فَظَنَنْتُ أَنَّهَا مِنْهَا فَخِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمَ بَيْنَ لَنَا أَنَّهُمَا مِنْهَا فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ تَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَوَضَعْتُمُوهَا فِي السَّبْعِ الطَّوَالِ۔

ترجمہ:۔ ابن عباس نے عثمان سے پوچھا تم نے سورہ انفال جو ثانی سے ہے اور سورہ برآہ جو مبین سے ہے کیوں بلا دیا یعنی دونوں کے درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی اور قرآن کی سات بڑی سورتوں میں انھیں لکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورتیں متعدد نازل ہوا کرتیں اور جب کچھ نازل ہوتا کاتب کو بلا کر آپ کہہ دیتے کہ ان آیتوں کو فلاں سورہ میں لکھو۔ انفال ان سورتوں میں ہے جو مدینہ میں پہلے نازل ہوئی۔ اور برآہ تمام قرآن میں آخر میں نازل ہوئی۔ ان دونوں کا مضمون چونکہ مشابہ تھا اس لئے میں سمجھا کہ یہ دونوں ایک سورت ہیں۔ مگر آنحضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ برآہ انفال کا جز اور حصہ ہے۔ میں نے اپنے خیال کے موافق دونوں کو بلا دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی اور قرآن کی بڑی سات سورتوں میں اس کو بھی لکھ دیا۔

اس حدیث کے مضمون پر بحث اور غور سے پہلے اس کی سند پر توجہ دلاتا ہوں۔ ابو علی

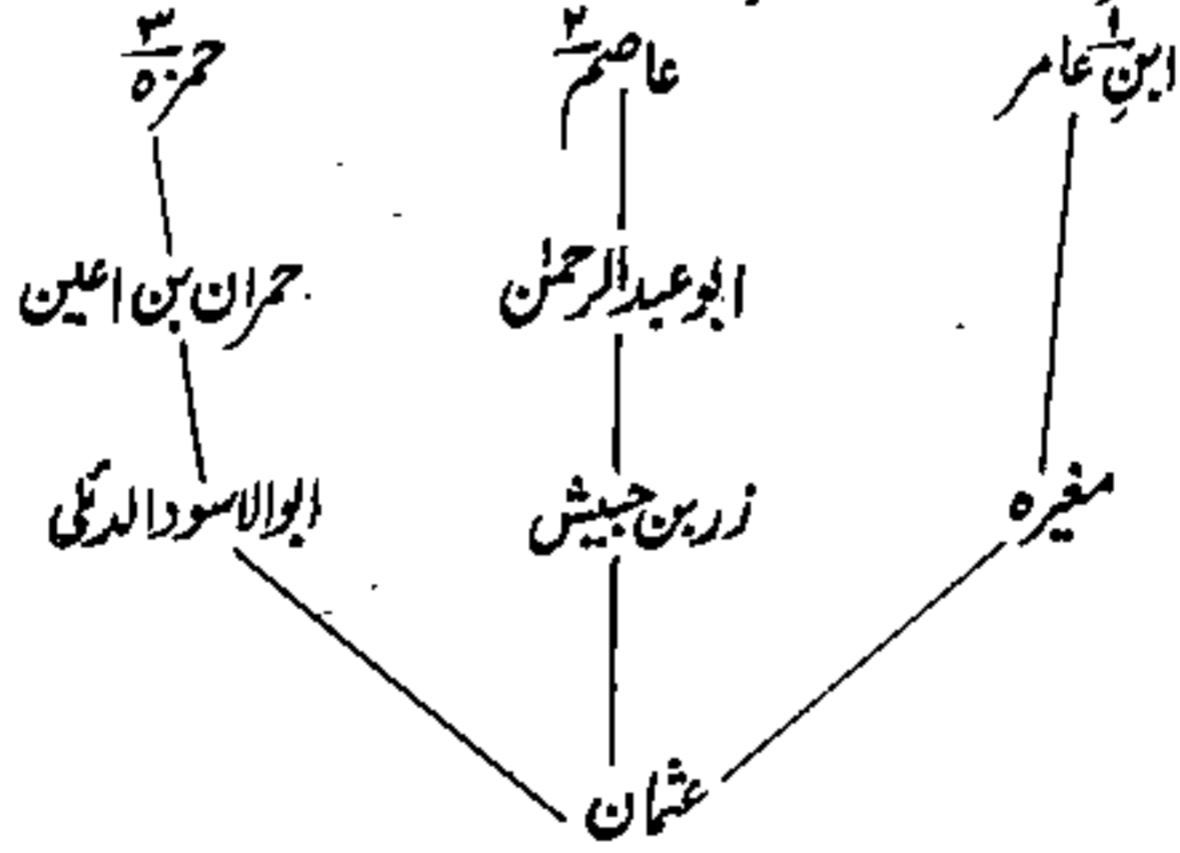


ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے (هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ  
عَوْفٍ عَنْ يَزِيدِ الْفَارِسِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ) یعنی صحابہ میں ابن عباس کے سوا ہمارے علم میں اور کسی  
نے اسے روایت نہیں کیا۔ ابن عباس سے بھی یزید فارسی کے سوا کوئی اس کا راوی نہیں ہے۔ یزید  
فارسی سے محض عوف بن ابی جمیلہ راوی ہے۔ امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس روایت کو  
اسی سند سے لکھا ہے جس کو میں بعینہ نقل کرتا ہوں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثنا يحيى بن سعيد ثنا عوف ثنا يزيد يعنى الفارسي  
قال ابي احمد بن حنبلٍ وثنا محمد بن جعفر ثنا عوف عن يزيد قال قال لنا ابن عباس الخ  
ابوداؤد میں بھی بعینہ یہی سند ہے۔ قال أخبرنا عمرو بن عون انا هشيم عن عوف عن يزيد  
الفارسي الخ اور دوسری سندوں ہے۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ ثَنَا صُرَّانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ أَنَا  
عَوْفُ الْأَعْرَابِيِّ عَنْ يَزِيدِ الْفَارِسِيِّ۔

**الغرض** اس حدیث کی تمام سندوں میں عوف ہے۔ عوف کے سوا یزید سے کسی نے اسے  
روایت نہیں کیا۔ اس حدیث کا پتہ عوف کے سوا کہیں سے نہیں چلتا۔ جیسا صاحب ترمذی نے  
بھی کہا ہے۔ عوف بن ابی جمیلہ اگرچہ محدثین کے ہاں معتبر ہے مگر تہذیب التہذیب میں ابن  
سبارک سے نقل کیا ہے۔ كَانَتْ فِيهِ بَدَعَاتَانِ قَدَرِيٌّ شَيْعِيٌّ اس میں دو باتیں ہیں ایک تو  
قدری ہے دوسری شیعہ۔ وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ رُبَّمَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ يَضْرِبُ عَوْفًا وَيَقُولُ وَيَلَاكُ  
يَا قَدْرِيٌّ۔ انصاری کہتے ہیں میں نے داؤد کو دیکھا کہ عوف کو مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ تو لے  
قدری مر بھی نہیں جاتا۔ وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ قَالَ بَدَأَ رَدُّهُ وَيَقْرَأُ لَهُمْ حَدِيثَ عَوْفٍ لَقَدْ كَانَ  
قَدْرِيًّا رَافِضِيًّا شَيْطَانًا۔ اور میزان الاعتدال میں ہے۔ بندار نے عوف کی حدیث بیان  
کرتے وقت لوگوں سے کہا کہ عوف رافضی شیطان ہے اور قدری ہے۔ امام مسلم نے اپنے مقدمہ  
میں عوف کو اگرچہ معتبر کہا ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی حدیث صحت میں دوسرے  
معتبرین کے مثل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے چونکہ عوام شیعوں کے خیال کی  
تائید ہوتی ہے اور اس کا روایت کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہے اور وہ بھی شیعہ اور رافضی  
ہے اور اصول حدیث کا یہ عام قانون ہے کہ اہل بدع کی ایسی روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں  
جس سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہو۔ اور خصوصاً جبکہ صحیح حدیثوں اور متواترات کی...  
مخالف روایت کرے۔ عوف نے یہ روایت یزید فارسی سے کی ہے۔ یزید کے سوا کسی نے ایسی  
روایت نہیں کی۔ یزید فارسی مجہول شخص ہے اسی لئے عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد نے کہا  
کہ یہ یزید بن ہرمز کے سوا کوئی نہیں۔ یزید فارسی اور یزید بن ہرمز ایک ہی شخص ہے۔ لیکن

یحییٰ بن سعید القطان اور صاحب ترمذی اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یزید فارسی یزید بن ہریر کے سوا دوسرا شخص ہے۔ کتب رجال میں اس کا کچھ حال نہیں ملتا۔ صرف اس قدر ہے کہ یہ صرف ابن عباس سے راوی ہے۔ اور ابو حاتم نے اس کی نسبت لا باس بہ کہا ہے۔ امام مسلم اور بخاری نے اس سے روایت نہیں کی ہے۔ اب جو شخص محدثین کے یہاں مشہور نہیں اور امام احمد اور ابن مہدی جیسے شخص جو فن رجال کے ناقد اور بانی ہیں اس سے واقف نہیں اور نہ یہ معلوم کہ یہ کس کا بیٹا ہے کس سن میں مرا اور کب پیدا ہوا۔ تو ایسے شخص کی روایت ہرگز اس قابل نہیں کہ بلا تنقیح اسے مان لیا جائے خصوصاً اس حالت میں جبکہ ایک امر متواتر اور یقینی کے مخالف ہو۔ بہر حال ابن عباس کی یہ روایت سند کے رُو سے صحیح نہیں اور غالباً اسی وجہ سے امام مسلم اور امام بخاری نے اسے روایت نہیں کیا۔ اب ایسی ناقابل اعتبار روایت سے ہم اس یقینی اور قابل اطمینان بات کو چھوڑ نہیں سکتے کہ قرآن کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وحی کے موافق فرمائی اور نہ ایسی راہی اور مزخرف خبر سے معتبر اور یقینی باتوں میں شبک و شبہہ کی گنجائش ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ تواتر کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ قاریان قرآن جن کی سندوں کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے اور ارجح انہیں کی سندوں سے قرآن ہمارے پاس آیا ہے۔ اپنی سندوں کو حضرت عثمان تک پہنچاتے ہیں اور ہر ایک اپنی سند میں بیان کرتا ہے کہ اسی قرآن موجودہ کو اسی ترتیب سے حضرت عثمان نے آنحضرت سے سنا ہے۔ چنانچہ انہی مشہور قاریوں سے تین کی ایسی سندوں کو ہم یہاں لکھتے ہیں جنہوں نے اپنی سند کو حضرت عثمان تک پہنچا ہے۔



اب جبکہ تواتر سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عثمان نے اسی ترتیب سے قرآن آنحضرت سے سنا تو اب ابن عباس کی اس روایت کا اس کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہوگا علاوہ اس کے ابن عباس کی یہ حدیث اپنے معنی کی رُو سے بھی بہت کچھ شبہہ میں ڈالتی ہے اور اس کے معانی میں ایسی مخالفت اور تضاد

ہے جس سے اس کے ضعف اور پوری کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے معانی پر بحث کے قبل یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ سورۃ براءۃ، انفال سے جدا سورۃ ہے یا اسی کا حصہ۔ صحیح حدیثوں اور متواتر شہادتوں سے یہ امر کہ براءۃ مستقل جدا سورہ ہے ایسا یقینی اور روشن ہے کہ اس میں اس کے خلاف کا خطرہ اور وہم تک بھی نہیں رہتا۔ ان شہادتوں سے بعض کو ہم بھی لکھتے ہیں۔

## پہلی شہادت

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أَخْرَسُورَةٌ نَزَلَتْ كَامِلَةً بَرَاءَةً وَأَخْرَسُورَةٌ نَزَلَتْ خَاتِمَةً سُورَةَ النِّسَاءِ يَسْتَفْتُونَكَ الْح (بخاری مغازی)

ترجمہ :- بخاری میں براء سے ہے کامل سورۃ جو آخر میں اتری براءۃ ہے۔ اور آخر میں جس سورۃ کا آخر نازل ہوا وہ سورۃ نسا ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پوری سورۃ براءۃ ایک وقت میں نازل ہوئی اور آخر میں جو پوری سورت ایک وقت میں اتری وہ براءۃ ہے۔ اس سورت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ تبوک اور حنین اور فتح مکہ کے بعد اتری ہے۔ ۳۶ھ میں حضرت ابو بکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج مقرر فرمایا اور فرمایا اور حضرت علیؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت علیؓ نے ساتویں ذی الحجہ کو تمام حجاج کے مجمع میں براءۃ کو پڑھ کر سنایا۔ اسی طرح عرفات میں لوگوں کو پھر منیٰ میں دسویں کو سنایا۔ (معتصم ص ۱۲۳)

## دوسری شہادت

وَأَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَنَافِقُ لَا يَحْفَظُ سُورَةَ هُودٍ وَبَرَاءَةَ وَيَسُ وَالِدَخَانَ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ۔ (تفسیر درمنثور)

ترجمہ :- درمنثور میں اوسط طبرانی سے ہے جناب امیر فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا منافق کو سورۃ ہود، براءۃ، یس، دخان، عم یتساءلون یاد نہیں ہوتی۔ یعنی جو انہیں یاد نہ کرے وہ منافق ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کے عہد میں براءۃ مستقل اور جدا سورۃ تھی نہ انفال کا جز۔ اور آپ نے قرآن کی دیگر سورتوں کی طرح اس کا بھی مستقل سورتوں میں شمار کیا۔ اس کے سوا اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ براءۃ کے یاد کرنے کی تاکید میں اس قدر سختی اور اہتمام فرمایا کہ جو یاد نہ کرے وہ منافق ہے۔ مسلمان اول تو تمام قرآن ہی کے فریقتہ اور اس کے یاد کرنے اور لکھنے کی طرف بے انتہا ساعی تھے لیکن آنحضرت کے اس اعلان کے بعد خصوصیت سے تمام مسلمانوں نے براءۃ کو یاد کیا اور لکھا ہوگا۔ کیونکہ اس عہد کے مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا

جو منافقوں کی فہرست میں اپنا نام دیکھنا پسند کرتا۔ اس بنا پر یہ یقینی امر ہے کہ صحابہ میں اکثر وہ ہونگے جن کو برارۃ یاد ہوگی اور ان کے پاس پوری لکھی ہوئی ہوگی اور اس وقت برارۃ کی مستقل سورۃ ہونے میں کسی مسلمان کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی سے یہ امر مخفی ہو سکتا ہے کہ برارۃ مستقل جدا سورۃ ہے۔

## تیسری شہادت

وَ أَخْرَجَ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَ الْحَاكِمُ وَ صَحَّحَهُ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَجَلَسْتُ قَرِيبًا مِنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُورَةَ بَرَاءَةِ انْتَهَى بِقَدْرِ الْحَاجَةِ - (درمنثور)

ترجمہ:- درمنثور میں سنن بیہقی اور سعید بن منصور سے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے۔ ابو ذر کہتے ہیں میں جمعہ کو مسجد میں ایسے وقت داخل ہوا کہ آنحضرت خطبہ پڑھتے تھے۔ میں جا کر آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آنحضرت نے سورۃ برارۃ پڑھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ برارۃ کو خطبہ میں مجمع عام میں علی رؤس الاشہاد سنایا تو کیا ایسی حالت میں مسلمان اس کے مستقل سورت ہونے سے واقف نہ ہوئے ہوں گے۔

## چوتھی شہادت

وَ أَخْرَجَ أَبُو عُبَيْدَةَ وَ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَ أَبُو الشَّيْخِ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الشَّعْبِ عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ تَعَلَّمُوا سُورَةَ بَرَاءَةِ وَعَلِّمُوا نِسَاءَكُمْ سُورَةَ التَّوْبَةِ - (درمنثور)

ترجمہ:- درمنثور میں ابو عبیدہ، سعید بن منصور، ابو الشیخ اور بیہقی سے روایت کیا ہے کہ... ابو عطیۃ الہمدانی کہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے یہ حکم لکھا کہ تم سورہ برارۃ سیکھو اور عورتوں کو سوز نور سکھاؤ۔ حضرت عمر کے اس حکم سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ برارۃ مستقل سورۃ انفال سے جدا تھی اور اس کو یاد کرانے کا آنحضرت نے بھی اہتمام فرمایا اور سخت تاکید کی۔ اور حضرت عمر نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق لوگوں کو اس کے یاد کرنے کا حکم دیا۔

ان واقعات سے یہ امر بخوبی روشن ہے کہ آنحضرت کے عہد مبارک میں سورہ برارۃ کا مستقل سورتوں میں شمار تھا۔ آنحضرت نے صاف صاف اس کو علیحدہ سورتوں میں گنا یا اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے بھی سورہ برارۃ کو انفال کے بعد رکھا تھا۔ اور اسی ترتیب سے آنحضرت اور صحابہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ اوس نقضی کا صحابہ سے قرآن کے حزب کے بارے میں سوال و جواب اس پر

واضح طور سے روشنی ڈالتا ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ پہلے بھی لکھا گیا ہے مگر بقدر ضرورت یہاں بھی اعادہ کرتا ہوں۔ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَبَسَكَ عَنَّا اللَّيْلَةَ فَقَالَ بَقِيَ عَلَيَّ مِنْ حِزْبِي شَيْءٌ فَكْرَهْتُ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى أَقْرَأَهُ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا قُلْنَا لِأَصْحَابِهِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا أَنَّهُ بَقِيَ عَلَيْهِ حِزْبٌ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَيْفَ كُنْتُمْ تَحْزِبُونَ الْقُرْآنَ قَالُوا نَحْزِبُ بِهِ ثَلَاثَ سُوْرٍ خَمْسِي سُوْرٍ سَبْعَ سُوْرٍ ثَمَنَ سُوْرٍ أَحَدِي عَشْرَةَ سُوْرٍ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سُوْرٍ وَحِزْبِ الْمَفْصَلِ مَا بَيْنَ قَافٍ فَاسْتَفَلَ۔ (طبقات ابن سعد وابی داؤد) اوس کا بیان ہے کہ ایک شب آنحضرت نے اپنے معمول سے آنے میں کچھ تاخیر کی۔ اس پر صحابہ نے عرض کی آج کس وجہ سے حضور کو دیر ہوئی۔ فرمایا روزانہ جو میں قرآن پڑھتا تھا آج وہ رہ گیا تھا اس لئے اُس کے پڑھنے میں دیر ہو گئی۔ اوس کہتے ہیں اُس کی صبح کو صحابہ سے میں نے دریافت کیا۔ قرآن میں تمہارا کیا معمول ہے۔ جواب دیا پہلے روز تین سورتیں، دوسرے روز پانچ، تیسرے روز سات، چوتھے روز نو، پانچویں روز گیارہ، چھٹے روز تیرہ، ساتویں روز قاف سے آخر تک پوری مفصل۔ المعتصر میں اس کے متعلق ہے۔ فَنَظَرْنَا فِيهِ فَاذًا ثَلَاثَ سُوْرٍ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ الْبَقْرَةَ۔ وَالْإِنشَاءُ۔ وَالنِّسَاءُ۔ وَالنَّحْسُ الْمَائِدَةَ۔ وَالْأَنْعَامُ۔ وَالْأَعْرَافُ۔ وَالْأَنْفَالُ۔ وَبَرَاءَةَ۔ وَالسَّبْعُ يُوسُفَ۔ وَهُودَ۔ وَيُوسُفَ۔ وَالرَّعْدَ۔ وَابْرَاهِيْمَ۔ وَالْحَجَرَ۔ وَالنَّحْلَ۔ وَالسَّبْعَ بَنُو إِسْرَائِيْلَ۔ وَالْكَهْفَ۔ وَمَرْيَمَ۔ وَطَهَ وَالْأَنْبِيَاءَ وَالْحَجَّ۔ وَالْمُؤْمِنُونَ۔ وَالنُّوْرَ۔ وَالْفُرْقَانَ۔ وَالْأَحْدَى عَشْرَةَ۔ طُورِ سِينِينَ۔ وَالْعَنْكَبُوتَ۔ وَالرُّومَ۔ وَاللَّقْمَانَ۔ وَالسَّبْجَةَ۔ وَالْأَحْزَابَ۔ وَسَبَا۔ وَفَاطِرَ۔ وَيُسَ۔ وَالثَّلَاثَةَ عَشْرَةَ الصَّافَاتَ۔ وَصَادَ۔ وَالزُّمَرَ۔ وَحَمَّ يَعْنِي آلَ حَمٍّ۔ وَسُوْرَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَالْفَقَّ۔ وَالْحَجْرَةَ وَحِزْبِ الْمَفْصَلِ ص ۲۰۔

یعنی صحابہ کے اس جواب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ پہلے روز کی تین سورتیں بقرہ۔ آل عمران، نسا ہیں۔ دوسرے روز کی پانچ میں مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال۔ برارہ۔ تیسرے روز کی سات میں یونس۔ ہود۔ یوسف۔ رعد۔ ابراہیم۔ حجر۔ نخل۔ چوتھے روز کی نو میں بنو اسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طہ۔ انبیا۔ حج۔ مومنون۔ نور۔ فرقان۔ پانچویں روز کے گیارہ میں طور سینین۔ عنکبوت۔ روم لقمان۔ سجدہ۔ احزاب۔ سبا۔ فاطر۔ یس۔ چھٹے روز کے تیرہ میں صافات۔ صاد۔ زمر۔ حم۔ محمد۔ فتح۔ حجرات۔ ساتویں روز میں قاف سے آخر تک یعنی مفصل تمام۔ صحابہ کے اس جواب سے تین امر معلوم ہوئے۔

(۱) رسول خدا اور نیز صحابہ نے برارہ کو مستقل سورہ علیحدہ انفال سے قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے شمار میں اس کا نمبر انفال سے علیحدہ گنا گیا۔ اور انفال کے بعد پانچویں سورت اس کو بتایا گیا۔

(۲) آنحضرت اور صحابہ نے برارہ کو انفال کے بعد رکھا اور اسی ترتیب سے آپ اور صحابہ اسے پڑھنے تھے۔

(۳) قرآن کے پڑھنے کی جو ترتیب آنحضرت اور صحابہ کی تھی وہ بعینہ اس قرآن کے موافق تھی اور نیز یہی امر اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جس کو صاحب منار الہدیٰ نے عائشہ سے اور سیوطی نے اتقان میں واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے۔ اَعْطِيتُ مَكَانَ التَّوْرَةِ السَّبْعَ الطَّوَالِ وَاَعْطِيتُ مَكَانَ الزَّبُورِ الْمِثْبِينَ وَاَعْطِيتُ مَكَانَ الْاِنْجِيلِ السَّبْعَ الْمَثَانِي وَفَضِلْتُ بِالْمُفَصَّلِ رواہ احمد فی مسندہ۔

چنانچہ صاحب منار الہدیٰ بھی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ سورہ برارہ مستقل سورہ ہے نہ انفال کا جز ہے۔

الغرض ان واقعات سے یہ امر روشنی میں آ گیا کہ آنحضرت نے برارہ کو مستقل جدا سورہ قرار دیا۔ اور انفال کے بعد اس کو رکھا۔ صحابہ بھی اس سے واقف تھے اور اسی طریقہ سے اس کی تلاوت کرتے تھے۔ سورہ برارہ کو جدا سورہ قرار دینا اور انفال کے بعد رکھنا آنحضرت کا فعل تھا نہ حضرت عثمان کا۔ جیسا قرار نے بھی حضرت عثمان سے اسے نقل کیا ہے اور حضرت عثمان نے خود بھی بیان کیا کہ میں نے اسی ترتیب سے آنحضرت سے سنا۔ چنانچہ ابن عباس کے اس سوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ انفال اور سورہ برارہ دو جدا جدا سورتیں ہیں۔ اب میں ابن عباس کی حدیث کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس حدیث میں ابن عباس نے حضرت عثمان سے دو باتیں دریا کی ہیں۔

(۱) انفال اور برارہ باوجود دو سورت ہونے کے ان کو ملا کر ایک سورت کیوں کہا گیا کیونکہ ان دونوں کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی جیسا کہ دو سورتوں کے درمیان لکھی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا یہ دونوں ایک سورت ہیں۔ ابن عباس کے اس سوال سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جدا جدا سورتیں ہیں۔

(۲) انفال مثنیٰ سے ہے اور برارہ مبین سے۔ ان کو قرآن کی پہلی سات طویل سورتوں کے ساتھ کیوں رکھا گیا۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب

(۱) انفال اور برارہ کا مضمون چونکہ باہم مشابہ تھا اس لئے میں نے سمجھا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے دونوں کو ملا دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی۔ سوال کا جواب تو

صرف اسی قدر ہے۔ لیکن جواب سے اس قدر اور اضافہ کیا گیا۔

(۲) رسول خدا کی یہ عادت اور معمول تھا کہ جب قرآن نازل ہوتا آپ کا تبوں میں سے کسی کو طلب فرما کر ہدایت کر دیتے کہ ان آیتوں کو فلاں سورت میں جن میں فلاں فلاں بیان ہے مرتب کرو۔

(۳) سورہ انفال مدینہ میں اول نازل ہوئی ہے اور برارہ آخرین نازل ہوئی۔

(۴) رسول خدا نے آخر تک یہ نہیں بتلایا کہ برارہ انفال کا جز ہے۔ ان تینوں باتوں کو اگرچہ جواب سے کچھ تعلق نہیں مگر ہم بیان کرنے والے کے نہایت ممنون ہیں کہ اُس نے اپنے اس اضافہ سے فیصلہ کے لئے نہایت آسانی کر دی اور اپنی غلطی اور جعل پر خود ایک مستحکم شہادت قائم کر دی۔ چونکہ یہ دونوں مل کر ایک بڑی سورت ہو گئی اس لئے میں نے اسے بڑی دوسرے امر کا جواب ساٹھ سورتوں میں رکھ دیا۔

اس بیان سے نہایت روشن اور ایسی وضاحت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برارہ انفال کا جز نہیں اور جدا سورت ہے۔ حضرت عثمان کی شان تو نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے اس سے تو معمولی سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر بلا تردد اور یقینی طور پر آجاتا ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لئے کہ اس بیان سے دو مقدمے ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی آیات نازل ہوتیں جو کسی سورت کی جز ہوتیں تو انہیں آپ اسی وقت اُس سورت میں لکھا دیتے۔ (۲) برارہ کو جو بعد میں نازل ہوئی ہے سورہ انفال میں جو پہلے نازل ہوئی ہے نہیں لکھایا۔

ان دونوں مقدموں سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ برارہ انفال کا حصہ نہیں ورنہ آپ اسے حسب معمول ضرور انفال میں لکھاتے۔ اور جب نہیں لکھایا تو ثابت ہوا کہ انفال کا جز نہیں۔ اب جبکہ حضرت عثمان کو ان دونوں باتوں کا خود ہی اقرار ہے تو اس کے بعد بھی دوسری طرف جانا یعنی دونوں سورتوں کے مضمون مشابہ ہونے سے استدلال کرنا۔ بھلا حضرت عثمان کی شان تو اس سے نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی خیال غلط ہے کہ آنحضرت کو برارہ کے انفال میں لکھانے کا وقت نہیں ملا۔ کیونکہ برارہ ۹ھ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے نازل ہونے کے بعد ایک سال سے زیادہ کا وقت آپ کو ملا۔ علاوہ ازیں جس طرح قرآن کی تبلیغ آپ پر فرض تھی اسی طرح یہ بھی فرض تھا کہ قرآن کے ہر حصہ کو اپنی اپنی جگہ مرتب کرادیں۔ اب خود اسی بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں متصل یکے بعد دیگرے بھی نازل ہوتیں تو اس وقت میں بھی ایسا وہم ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں شاید ایک ہوں۔ ان میں تو

یہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک اول میں نازل ہوئی ہے اور دوسری بعد میں۔ اس درمیان میں اور بہت سی سورتیں نازل ہوئیں تو اس لئے یہاں یہ بھی وہم نہیں ہو سکتا۔ اب رہی یہ بات کہ ان دونوں کا مضمون مشابہ ہے اس لئے دونوں بلا دی گئیں۔ اس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) دو میں مشابہت مضمون سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایک ہوں۔ قرآن میں اکثر ایسی سورتیں ہیں کہ ان کے مضامین میں مشابہت ہے۔ (۲) یہ مشابہت اُس وقت کارآمد ہو سکتی تھی جبکہ اس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہوتا۔ اور جب خود آنحضرت نے اس کو انفال میں نہیں لکھا یا اور اس کا نام علیحدہ مستقل رکھ دیا تو اب مشابہت کیا کارآمد ہو سکتی ہے۔ اب تو اگر دونوں کا مضمون بھی بالکل متحد ہو جاتا تو ایک نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ اس کے یہ بات خود بھی غلط ہے کہ حضرت عثمان نے ان دونوں کو سبع طوال میں داخل کیا۔ بلکہ یہ ترتیب رسول خدا نے قائم کی تھی اور اسی ترتیب سے خود آنحضرت اور نیز صحابہ قرآن کو پڑھتے تھے۔ جیسا اوس ثقفی کے بیان سے ثابت ہوا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ حضرت عثمان اس سے ناواقف ہوں اور یہ ان کو معلوم نہ ہو کہ براہۃً مستقل علیحدہ سورت ہے۔ اب واقفیت کے بعد بھی حضرت عثمان کا یہ کہنا کہ یہ ترتیب میری قائم کردہ ہے مسلمان اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں خصوصاً حضرت عثمان کا ایسے وقت میں یہ کہنا جبکہ ہزاروں صحابہ اس سے واقف تھے۔ علاوہ اس کے ان روایات کی رد سے جو قرآن کے جمع کے بارے میں ہیں یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمان نے خود اپنی رائے سے قرآن کی کوئی ترتیب قائم کی تھی۔ بلکہ ان روایات سے محض یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اول نے اپنے عہد میں جو قرآن لکھا یا تھا حضرت عثمان نے اس کی نقلیں کرا کے ملک میں شائع کیں۔ چنانچہ حضرت عثمان کی جمع کے واقعہ کو بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ اُسے دیکھو اُس میں ایک حرف بھی ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت عثمان نے کوئی ترتیب اپنی طرف سے دی ہے بلکہ محض نقل کرایا تھا۔ اب ابن عباسؓ کی یہ روایت بخاری کی اس صحیح روایت کے بھی مخالف ہوئی۔ بہر حال یہ روایت کیا بلحاظ سند اور کیا بلحاظ مضمون ہرگز صحت اور قبولیت کا درجہ نہیں رکھتی۔ رہا یہ امر کہ انفال اور توبہ جب دو مستقل اور جدا جدا سورہ ہیں تو اور دیگر سورتوں کی طرح ان دو میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن کے نقل اور لکھنے میں مسلمانوں نے چونکہ صاحب شریعت کا پورا اتباع کیا ہے اور جس طرح صاحب شریعت نے لکھا یا اُسی طرح لکھا۔ اپنی رائے سے اُس میں کسی قسم کا تبدل و تغیر نہیں کیا۔ اس وقت تک بھی قرآن میں ایسے الفاظ ہیں جو موجودہ قواعد خط اور تحریر کے خلاف ہیں۔ لیکن وہ حروف چونکہ صاحب شریعت کے سامنے اسی طرح لکھے گئے تھے اس لئے مسلمانوں نے اُسے بھی ویسے ہی قائم رکھا اور قواعد خط کے موافق اُس میں تبدل و تغیر پسند نہیں کیا جب ہم مسلمانوں



کا یہ یقین ہے کہ یہ قرآن رسول خدا کے عہد میں اسی طرح لکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا یا اور معتبر واقعات اور روایتوں نے بھی ہمارے اس یقین کو مدد پہنچا کر اور زیادہ مستحکم اور روشن کر دیا۔ تو اب ہمارے لئے اس کہنے کو کوئی امر مانع نہیں کہ آنحضرت نے انفال اور برارہ میں چونکہ بسم اللہ نہیں لکھائی اس لئے نہیں لکھی گئی۔ اس کے بعد ہمیں اس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ صاحب شریعت نے یہاں کیوں بسم اللہ نہیں لکھائی۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب شریعت کو یہاں اسی طرح وحی ہوئی اور اس سورت میں وحی الہی کے وقت بسم اللہ نہ تھی۔ ابن عباس سے روایت ہے۔ جب سورت نازل ہوتی تو بسم اللہ بھی نازل ہوتی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ برارہ میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ بسم اللہ چھوڑ دی جاتی۔ اور یہاں نازل نہ کرنے کی مصلحت کو وہی حکیم مطلق خوب جانتا ہے جس نے اپنی مصلحت کاملہ سے بچو بندوں کے لئے قرآن نازل کیا۔ انسان کی عقل کرۂ ارضی کے گرد حرکت سے عاجز ہے تو علویات پر اس کا حاوی ہونا جس درجہ پر ہے وہ ظاہر ہے۔

**اشتباہ کی تیسری روایت** زید بن ثابت کی حدیث سے جسے بخاری وغیرہ نے نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ یمامہ کے بعد فاروق اعظم کی رائے سے خلیفہ اکبر نے زید کو بلا کر حکم دیا کہ تمام قرآن کو جمع کرو۔ اگر قرآن جمع نہ ہوا تو لعین نہیں کہ معرکہ یمامہ کی طرح چند اور جگہ قرار قرآن اگر شہید ہوئے تو قرآن کا اکثر حصہ تلف ہو جائے گا۔ زید نے خلیفہ اکبر کے حکم سے تمام قرآن تلاش سے جمع کیا اور لکھا۔ اسی جمع کردہ قرآن کی چند نقلیں خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں کرا کے مختلف جگہ بھیجیں۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پورا قرآن رسول خدا کے عہد میں لکھا ہوا نہ تھا ورنہ خلیفہ اکبر ایسا نہ کرتے۔ زید بن ثابت کی دو حدیث یہ ہے جس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ میں اسے بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

ان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال ارسل الخ ابو بکر الصديق مقتل اهل اليمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابو بكر رضي الله عنه ان عمرا اتاني فقال ان القتل قد استحر يوم اليمامة بقران القرآن واني اخشى ان استحر القتل بالقران والمواطن فيذهب كثير من القرآن واني اري ان تأمر بجمع القرآن قلت لعمر كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول صلى الله عليه وسلم قال عمر هذا والله خير فلم يزل عمر يراجعني حتى شرخ الله صدري لذلك ورأيت في ذلك الذي رأى عمر قال زيدا قال ابو بكر انك رجل شاب عاقل لا نتهمك وقد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به من جمع القرآن قلت كيف تفعلون شيئا لم يفعله

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللَّهُ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُزَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَتَبِعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُ مِنَ الْعُسْبِ وَاللِّخَافِ وَصَدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ أَنْخِرَ سُورَةَ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَحِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَ كَثْرَ رَسُولٍ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَتَّى خَاطَمَتْ بَرَاءَةَ وَكَانَتْ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتِهِ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

ترجمہ:- زید کا بیان ہے کہ یامہ والوں سے لڑائی کے زمانہ میں خلیفہ اکبر نے مجھے بلوایا۔ میں حاضر ہوا۔ عمر بھی اس وقت وہاں تھے۔ خلیفہ نے فرمایا کہ عمر نے مجھ سے کہا۔ یامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری قرآن شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح اور چند مقام پر اگر قرآن شہید ہوئے تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا اکثر حصہ تلف ہو جائے گا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کو جمع کرائیں۔ میں نے عمر سے کہا جو کام رسول خدا نے نہیں کیا وہ تو کرنے کو کہتا ہے۔ عمر نے جواب دیا واقعی یہ عمدہ ہے۔ اسی بارے میں مجھ سے اور عمر سے گفتگو ہوئی۔ پھر میں بھی سمجھا کہ عمر کی رائے صحیح ہے اور مصلحت اسی میں ہے۔ اس تمام واقعہ کے بیان کے بعد خلیفہ نے زید سے فرمایا۔ تو جو ان سمجھدار معتبر ہے اور وحی بھی لکھتا تھا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ تو تلاش کر کے قرآن کو جمع کر۔ زید کہتے ہیں کہ اس قدر بھاری کام میرے متعلق کیا کہ اس سے بھاری پہاڑ کا اپنی جگہ سے منتقل کرنا مجھ پر آسان تھا۔ خلیفہ سے میں نے عرض کیا۔ جو کام رسول خدا نے نہیں کیا وہ کرو گے۔ خلیفہ نے فرمایا ہاں یہ بہتر ہے۔ مجھ سے اور خلیفہ سے اس میں بحث ہوئی۔ پھر میں بھی سمجھا کہ ان دونوں کی رائے واقعی درست ہے۔ اس پر میں نے کھجور کی پتیوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کیا اور لکھا۔ سورہ توبہ کا آخر (لقد جاءكم الحق) محض ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا۔ میرا لکھا ہوا زندگی بھر خلیفہ اکبر کے پاس رہا ان کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔

اس حدیث پر بحث سے پہلے چند باتوں کا بیان مناسب ہے جن سے اس واقعہ پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

(۱) خلیفہ اول کی خلافت کا زمانہ دو برس تین مہینے گیارہ روز ہے۔ کیونکہ سہ شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۳۰ھ کو آپ مسند خلافت پر فרוکش ہوئے۔ اور ۲۲ جمادی الآخرہ ۳۱ھ دو شنبہ کا دن گزرنے پر عشا و مغرب کے درمیان رفیق اعلیٰ سے واصل ہوئے۔

(۲) یمامہ ملک نجد میں ایک شہر ہے۔ اس میں قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک شخص جس کا نام سبیلہ تھا مدعی نبوت ہوا۔ ۳۰ھ کے آخر میں خلیفہ اول نے خالد بن ولید کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ

فرمایا۔ اور انجام کار نہایت خونریزی اور طرفین کے بہت سے آدمی کام آنے کے بعد صداقت کی فتح اور کذب کی شکست ہوئی۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ گیارہ سو مسلمان شہید ہوئے اور بعض کا بیان ہے کہ چودہ سو مسلمانوں نے جام شہادت پیا جس میں ستر قرآن کے قاری تھے اور تین سو ہاجرین اور انصار مدینہ کے اور تین سو ہاجرین بیرون مدینہ کے تھے اور باطل پرستوں کے چودہ ہزار آدمی تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے۔ ثُمَّ سَارَ خَالِدٌ بِجُوعِهِ إِلَى الْيَمَامَةِ لِقِتَالِ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ فِي أَوَّلِ الْعَامِ وَالْتَقَى الْجَمْعَانِ وَدَامَ الْحِصَارُ أَيَّامًا۔ یعنی خالدؓ کے آخر میں مسیلمہ کے مقابلہ کے لئے معہ فوج کے روانہ ہوئے۔

کامل ابن اثیر میں ہے۔ قَدْ اِخْتَلَفَ فِي تَارِيخِ حَرْبِ الْمُسْلِمِينَ هَوَاكِبُ الْمُرْتَدِينَ فَقَالَ ابْنُ اسْحَقَ كَانَ فَتْحُ الْيَمَامَةِ وَالْيَمَنِ وَالْبَحْرَيْنِ رُبْعَ الْجَنُودِ إِلَى الشَّامِ سَنَةَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ وَ قَالَ أَبُو عَمْرٍو وَغَيْرُهُمْ فَتَوْحُ الرِّدَّةِ كُلِّهَا لِخَالِدٍ وَغَيْرِهِ سَنَةَ إِحْدَى عَشْرَةَ۔ يَمَامَةَ وَغَيْرِهِ كَمَا مَرْتَدِينَ سَعِ جَنَاحِ فِي مَوَاطِنَ كَالِ اِخْتِلَافِ هُو۔ ابن اسحق کے نزدیک ۱۲ھ میں یہ جنگ ہوئی۔ اور ابو عمرو وغیرہ کے نزدیک ۱۳ھ میں۔ بہر حال اس میں کلام نہیں اور یہ امر یقینی ہے کہ یمامہ کی جنگ کا خاتمہ ۱۳ھ کے خاتمہ پر ہوا اور اس جنگ میں زید بن ثابتؓ بھی شریک تھے۔

(۳) مشہور قرار سے سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے سوا کوئی قاری اس میں شہید نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں چار شخصوں کو تعلیم قرآن کی اجازت دی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ ان چار سے قرآن پڑھیں۔ ابن مسعود۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ جن میں سے سالم شہید ہوئے اور تین موجود تھے۔

(۴) زید بن ثابتؓ نے آنحضرت کے عہد میں ہی قرآن جمع کیا تھا۔

قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعَةٌ كَلِمَةً مِنَ الْأَنْصَارِ ابْنُ بَنِي كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ بَخَّارِي تَرْجَمَهُ۔ بخاری میں انس سے ہے۔ رسول خدا کے عہد مبارک میں انصار سے چار نے قرآن جمع کیا تھا۔ ابی۔ معاذ۔ زید۔ ابو زید۔

اسی کے ساتھ زید بن ثابتؓ کو پورا قرآن حفظ بھی تھا۔ منجملہ اور حفاظ کے یہ بھی ہیں۔

بخاری کی یہ روایت صحیح ہے جس کی صحت کو علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(۵) ازالہ الخفارج ۲ ص ۲۴۳ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جمع کرنا قرآن را بحضور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم وترتیب داده بود آنرا لیکن تقدیر مساعیروں آن نشر آنخرج ابو عمرو و عن محمد بن

كعب القرظي قال كان ممن جمع القرآن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو حفي  
عثمان بن عفان وعلي بن ابي طالب وعبد الله ابن مسعود من المهاجرين وسالم مولى  
ابى حذيفة.

حضرت عثمان نے آنحضرت کی زندگی ہی میں قرآن کو ترتیب سے جمع کیا تھا لیکن اس کی اشاعت  
مذہبوں - محمد بن کعب سے روایت ہے کہ آنحضرت کی زندگی میں قرآن جمع کرنے والوں میں عثمان بن علی  
ابن مسعود، ابو حذیفہؓ بھی ہیں۔

(۶) یہ امر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لکھواتے اور بہت سے صحابہ نے اسے  
پورا لکھا اور جمع کیا جیسا ابھی ہم نے ثابت کیا ہے۔

(۷) ہم تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن کسی حالت اور کسی وقت میں تلف نہیں ہو سکتا جس  
قدر قرآن ہے وہ قیامت تک بعینہ محفوظ رہے گا۔ خواہ دنیا میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہے اور کسی  
مسلمان کو کبھی یہ خیال وہم و خطرہ کے طور سے بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن کا تلف ہونا ممکن ہے مسلمان جانتے  
ہیں، جس طرح آفتاب و ماہتاب قیامت تک اپنے اسی آب و تاب سے زندہ رہیں گے اسی طرح یہ  
چشمہ ہدایت بھی قیامت تک باقی رہے گا۔ کیونکہ یہ اُس خدا کا وعدہ ہے جس کا وعدہ اٹل اور ناممکن الخلف  
ہے۔ مَن نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَنَٰصِرُونَ۔

(۸) اگر یہ امر صحیح مان لیا جائے کہ آنحضرت کے عہد میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا بلکہ اُس کے اجزاء  
صحابہ کے پاس لکھے ہوئے منتشر تھے اور بعض اجزاء ایسے صحابہ کے پاس بھی تھے جو قاری اور کاتب تھے  
نہ تھے جیسے خزیمہ یا ابو خزیمہ۔ اور اسی لئے اس کے جمع کرنے میں تلاش اور سوال کی ضرورت تھی۔  
اور بلا جمع کئے صحابہ کی شہادت یا قراء کی شہادت سے اس کے تلف ہونے کا خوف تھا۔ تو ایسی  
حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد تمام مسلمانوں خصوصاً صحابہ اور خلیفہ کا  
پہلا فرض یہ تھا کہ قبل اس کے کہ صحابہ مدینہ سے کسی جنگ کے لئے یا کسی دوسری غرض سے جدا  
ہوں۔ قرآن جمع کیا جاتا۔ کیونکہ اول تو ویسے ہی انسان کی موت و حیات کا کچھ اعتبار نہیں اور  
جنگ کے موقع میں تو ہر وہ شخص جو جنگ کے لئے نکلتا ہے وہ اپنے کو یقیناً موت کا شکار جانتا  
ہے اور آنحضرت کی وفات کے بعد تو اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایسا نازک وقت تھا کہ اُس وقت  
کے حالات اور واقعات کی رُو سے اسلام اور مسلمانوں کا باقی رہنا ایک ایسی بات ہے جو انسانی  
عقل سے باہر ہے۔ اب ایسی حالت میں حاملان قرآن کا جنگ کے لئے نکلنا کیا اس امر کو نہیں  
بتا تا کہ ان میں سے ضرور کچھ کام آئیں گے۔ اور کیا کوئی معمولی سمجھ کا شخص بھی ایسا خیال کر سکتا  
ہے کہ بلا جانوں کی قربانی کئے ان کو کامیابی اور فتح نصیب ہوگی۔ خصوصاً اُس حالت میں جبکہ

فریقِ مقابل کی تعداد اور سامانِ حرب زیادہ ہو۔ اب ایسی صورت میں بلا قرآن جمع کئے ہوئے خلیفہ کا حاملانِ قرآن کو جنگ کے لئے بھیج دینا دیدہ و دانستہ قرآن کو تلف کرنا ہے اور یہ وہ امر ہے کہ مخالف و موافق کوئی بھی کسی مسلمان کی نسبت ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ قرآن ہی وہ شے ہے جس پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور اسی کی حفاظت کے لئے مسلمانوں نے قربانیاں کیں اور آج بھی اس کیلئے سربکف ہیں۔ پھر جو بات کہ خلیفہ اول ابو فاروق اعظم نے جنگِ یمامہ کے بعد کی جبکہ ہزاروں صحابہ اور حاملانِ قرآن شہید ہو گئے اور ایسا ہونا بھی ضروری تھا۔ اُس کا وقت اس کے قبل تھا جبکہ تمام صحابہ موجود تھے۔ نہ اس وقت۔ علاوہ اس کے جنگِ یمامہ کے بعد قرآن کے جمع کرنے سے اور وہ بھی اس صورت سے کہ مختلف چیزوں سے وہ لکھا ہوا بلا اور یہ تحریریں مختلف لوگوں کے پاس سے برآمد ہوئیں۔ یہ خیال زیادہ ممکن ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ تلف ہو گیا ہو اور وہ اُن کے پاس ہو جو شہید ہو گئے تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ تمام قرآن زید کو یاد تھا مگر وہ محض اپنی یاد سے لکھنا نہیں چاہتے تھے تا وقتیکہ وہ لکھا ہوا بھی نہ ملے۔ اس لئے وہ لکھا ہوا ہی تلاش کرتے اور اس سے نقل کرتے اپنی یاد پر نہ لکھتے۔ تو اب ایسی حالت میں یہ ناممکن ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ زید کو خود تمام قرآن یاد تھا۔ تو اس کے متعلق ہیں کہوں گا کہ اگر محض لکھے ہوئے ہی کی تلاش تھی تو یہ غلط ہے اس لئے کہ اس بیان میں زید خود کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو لکھے ہوئے سے اور لوگوں کی یادوں سے معلوم کر کے لکھا ہے۔

(۹) جنگِ یمامہ کے بعد جمع قرآن کی ضرورت جب محسوس ہوئی اور اس وقت تک اُمّی قرآن غیر مجموع تھا اور جنگِ یمامہ میں فرار کے شہید ہونے سے قرآن کے تلف ہونے کا اندیشہ ہوا۔ تو اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اُس وقت جو فرار سے زندہ تھے خصوصاً وہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم کی اور اپنے ہی وقت میں اجازت دی۔ اور انہوں نے عہدِ نبوی میں بھی لوگوں کو قرآن پڑھایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یاد پر وثوق کیا۔ ان تمام فرار اور حفاظت کو جمع کیا جانا اور اُن کی مجلس کے متعلق یہ کام کیا جاتا نہ تنہا زید کی جو اُن میں بھی نہیں ہیں جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اجازت دی تھی۔ لیکن ان حفاظت اور فرار سے کسی کو بھی شریک نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت میں سالم مولیٰ ابی حذیفہ تو جنگِ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے اور معاذ میں تھے اور ابن مسعود مہم عراق میں شریک تھے جو محرم ۲ ہجری میں بہ سرپرستی خالد روانہ ہوئی تھی اور ابوالدرداء جنہوں نے رسول خدا سے پورا قرآن یاد کیا تھا وہ بھی اس میں شریک نہ تھے اور عمر بن ابی اسحاق جو ہرات میں قرآن ختم کر لیتے تھے اور پورا قرآن اُن کے پاس لکھا ہوا تھا وہ بھی باہر تھے۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ جب انہیں کوئی ضرورت پیش آتی تو اُس میں وہ اہل الرائے اور اہل علم سے مشورہ کرتے اور مہاجرین اور انصار سے خصوصاً عمر، عثمان، علی، عبد الرحمن بن عوف، معاذ، ابی

زید کو ضرور بلا کر مشورہ کرتے۔ تعجب ہے بقول راوی یہ اس قدر عظیم الشان کام کہ جس میں حضرت عمرؓ سے بحث مباحثہ ہوا زید سے مباحثہ ہوا۔ مگر ان ارباب شوری سے مشورہ بھی نہ کیا گیا حالانکہ یہ انہیں کے کرنے اور مشورے کا ہی کام تھا اس پر بھی ان کو نہ بلایا گیا۔ جو لوگ اس سے واقف ہیں اور جنہوں نے یہ کام کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کسی مرتب لکھی ہوئی کتاب کی صحیح نقل کرنے میں کس قدر اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول اس کتاب کے مختلف نسخے جمع کئے جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے تمام سے اس کا مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی جاتی ہے اور اس پر بھی مختلف طور سے اس پر مختلف وقتوں میں مختلف اشخاص نظر ڈالتے ہیں جب بھی پورا صحیح نسخہ تیار نہیں ہوتا۔ آج کل ہی دیکھو قرآن کے سینکڑوں نسخے موجود ہیں اور ہزاروں حفاظ ہیں لیکن اس پر بھی اگر آج کوئی صحیح نقل کرنا چاہے تو کس قدر اہتمام کرنا ہوگا۔ پھر کیا تنہا ایک شخص آج بھی اس کام کو انجام دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اور جبکہ قرآن تمام یکجا لکھا ہوا بھی نہ تھا تو اس وقت میں اول تو قرآن کا تلاش کرنا پھر اس سے صحیح نقل کرنا۔ خصوصاً اس حالت جبکہ تحریر کے ایسے قواعد اور اس قدر سہولتیں بھی نہ تھیں جو آج ہیں۔ کس قدر مشکل کام ہے اور کس قدر اہتمام کو چاہتا ہے اور پھر تلاش کرنا اور ایسے لوگوں سے دریافت کرنا کہ جن میں بعض ایسے بھی ہونگے جو مدینہ سے باہر ہوں تو ایسی حالت میں اس کے لئے کس قدر مدت کی ضرورت ہوگی۔ اور جبکہ اس زمانہ میں بھی قرآن کے برابر کوئی ایسی کتاب جس میں تلاش اور صحت کی ضرورت ہو ایک شخص ایک سال یا ایک سال چھ مہینے میں نہیں لکھ سکتا۔ باوجودے کہ آج کل پہلے کے اعتبار سے بہت سانا ایسا مہیا ہے جس کی وجہ سے بہت آسانی ہوگئی ہے۔ تو تنہا زید کا اس وقت میں اتنی مدت میں لکھ دینا دنیا کے ان واقعات میں سے ہے جن کو معجزہ کہتے ہیں کیونکہ ۱۲ ہجری یعنی جنگ یرامہ کے بعد سے جبکہ خلافت کے نو مہینے گزر چکے تھے۔ زید نے قرآن جمع کرنا شروع کیا اور خلیفہ اول ہی کے عہد میں اسے پورا کر لیا تو یہ تمام کام ڈیڑھ سال میں ہوا اس لئے کہ خلافت صدیقی کا کل زمانہ دو سال تین مہینے ہیں۔ اب اس سے نو مہینے نکالنے کے بعد ڈیڑھ سال رہ جاتا ہے۔

(۱۰) ابی بن کعب تمام قرآن قرآن کے سردار ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرأ کھ ابی فرمایا یعنی صحابہ میں ابی تمام سے زیادہ قاری ہیں۔ خلیفہ دوم نے عام اعلان دے دیا تھا من اذ ان یسأل عن القرآن فلیات ابیاً جو قرآن کے متعلق دریافت کرنا چاہے وہ ابی سے پوچھے یعنی ان سے زیادہ کوئی واقف نہیں۔ (حاکم ازالہ ص ۱۱۱ ج ۲)

ابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی آپ کی اجازت سے قرآن کی تعلیم دیتے اور قرآن پڑھنے والوں کی جماعت کو رسول خدا ان کے متعلق کرتے۔ انہوں نے عہد نبوی میں تمام قرآن کو جمع

کیا تھا اور کتاب وحی بھی تھی۔ تعجب ہے کہ ان کی موجودگی میں زید تو اس کام کے لئے بلائے گئے اور زید کا اس کے لئے انتخاب ہوا اور خلیفہ اول نے اس کام کے لئے اُبی کو نہ بلایا حالانکہ یہ اُس وقت مدینہ میں تھے اور زید سے عمدہ اس کام کو انجام دے سکتے تھے۔ اور زید کے اعتبار سے اس کے زیادہ مستحق تھے اور یہ نہیں تو یہ ضروری تھا کہ دونوں کو بلایا جاتا اور دونوں کے متعلق یہ کام کیا جاتا۔ ان کے ہوتے ہوئے تنہا زید کے یہ کام سپرد کرنا معمولی شخص سے بھی یہ بعید ہے۔ اور خلیفہ اول اور فاروقِ اعظم کی فراست اور دور اندیشی سے تو نہایت ہی بعید ہے۔

(۱۱) عہدِ نبوی میں جب قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا اور خلیفہ اول ہی نے اسے جمع کر لیا تھا تو جمع کرانے کے بعد خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی پر ضروری تھا کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اس کی اشاعت کرتے اور اس کی نقلیں کر کے ہر جگہ بھجواتے اور اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مسلمان خود اس کی نقل کرتے اور تمام بلادِ اسلامیہ میں اس طرح اس کی نقلیں موجود ہوتیں۔ کیونکہ تجربے اور مشاہدے سے یہ امر متیقن ہے کہ مفید اور ضروری کتاب کو ہر شخص نقل کرتا ہے اور اس طرح سے وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ قرآن سے زیادہ مفید اور ضروری مسلمانوں کے نزدیک کوئی کتاب نہیں اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس قرآن کی نقلیں تمام بلاد میں پھیل جاتیں۔ مگر کہیں تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان نے اس کی نقل کی ہو یا خلیفہ نے اس کی نقل بھجوائی ہو۔ حالانکہ خلیفہ دوم نے اپنے عہد میں جا بجا قرآن کے معلم بھیجے اور اس قدر اہتمام کیا کہ تمام عمال کے نام احکام جاری کر دیئے کہ ہر سال اپنے اپنے یہاں سے اُن لوگوں کی فہرست بھیجا کریں جو قرآن پڑھیں تاکہ اُن کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں انہیں معلم بنا کر تعلیم کے لئے بھیجا جائے جس پر صرف ابو موسیٰ اشعری نے اپنے یہاں سے عین موسے زیادہ کے نام لکھ کر بھیجے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۷)

ایک بار یزید بن ابی سفیان نے جو ملک شام میں خلیفہ دوم کی طرف سے گورنر تھے فاروقِ اعظم کو لکھا کہ یہاں مسلمان بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور ملک شام کے تمام شہر مسلمانوں سے معمور ہیں اس لئے اب اس کی ضرورت ہے کہ آپ ایسے لوگوں کو یہاں بھیجیں جو انہیں قرآن کی تعلیم دیں اور مسائل بتائیں۔ خلیفہ نے اس پر انصار کے اُن پانچ شخصوں کو طلب کیا جنہوں نے عہدِ نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔ یعنی معاذ بن جبل، عبادہ بن الصامت، اُبی بن کعب، ابویوب، ابوالدرداء۔ اور اُن سے تمام واقعہ بیان کر کے کہا کہ تم سے تین کی مجھے ضرورت ہے تاکہ میں انہیں تعلیم قرآن کے لئے ملک شام میں بھیجوں۔ اب تم باہم قرءِ ڈالو جس کا نام نکلے وہ جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قرءِ ڈالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابویوب نہایت بوڑھے ضعیف ہیں اور ابی بیمار ہیں اس لئے یہ دونوں جا ہی نہیں سکتے۔ پس معاذ، عبادہ، ابوالدرداء روانہ کئے گئے۔ جن میں سے عبادہ حمص میں، ابوالدرداء دمشق میں

معاذ فلسطین میں گئے۔ طاعون عمواس میں معاذ کا انتقال ہو گیا۔ پھر عبادة اُن کی جگہ حمص سے فلسطین آگئے اور پھر اُن کا انتقال بھی فلسطین میں ہوا اور ابوالدرداء دمشق ہی میں رہے اور وہاں ہی اُن کا انتقال ہوا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵ طبقات قسم ۲ ج ۲ ص ۲۱۲)

ابوموسیٰ اشعری جب بصرہ کے حاکم بنا کر یہاں بدل دئے گئے تو خلیفہ دوم نے اُن کے نام پر روانہ بھیجا کہ قرآن کی تعلیم دو۔ پہلے سال ابوموسیٰ نے حسب قانون اپنے یہاں سے اُن کی فہرست بھیجنے کے لئے قرآن پڑھا تھا اس کو دیکھ کر خلیفہ نے خدا کی حمد کی۔ دوسرے سال ابوموسیٰ نے جو فہرست بھیجی اُس میں پہلے سے بھی زیادہ نام تھے۔ پھر تیسرے سال بھی فہرست روانہ کی۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۳۲)

ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں جب میں قرآن بصرہ کے پاس گیا تو تین سو قاری میرے پاس وہ آئے جنہوں نے تمام قرآن پڑھا تھا۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۳۹) ابوموسیٰ اشعری بصرہ سنہ ۳۲ھ میں گئے تھے۔۔۔ ابوسفیان کو جو قریش سے تھا اس پر مقرر کیا کہ تمام دیہات اور گائوں میں دورہ کرے اور خانہ بدوش بدوؤں اور اُن کے لڑکوں کا قرآن میں امتحان لے اور قرآن سُنے۔ جس کو کچھ بھی قرآن یاد نہ ہو اُسے سزا دے۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے اس دورے میں ایک بار قبیلہ بنی نہمان میں گئے۔ اور زید النخیل کے چچا زاد بھائی اوس بن خالد کا امتحان لیا اس کو قرآن بالکل یاد نہ تھا۔ اس پر ابوسفیان نے اس کو اس طرح مارا کہ وہ مر گیا۔ (افغانی ج ۱ ص ۵۶)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر نے قرآن کی تعلیم جبری قائم کی اور شہر اور گائوں دونوں میں مدارس قائم کئے جن کی نظیر آج بھی نہیں ہے۔

طبقات القراء میں ابوالدرداء کے حال میں ہے کہ ابوالدرداء صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو اسی وقت سے قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا۔ دس دس آدمیوں کی جماعت آپ جدا جدا قائم کرتے اور ہر جماعت پر ایک نگران مقرر کرتے۔ جب کسی جماعت کا کوئی شخص غلطی کرتا تو اس جماعت کا نگران اُسے بتاتا۔ اور اگر نگران سے غلطی ہوتی تو ابوالدرداء اُسے خود بتاتے۔ لیکن حفاظ قرآن کی جماعت کی نگرانی براہ راست ابوالدرداء کرتے۔ ایک بار آپ نے اپنے حلقہ درس کے طلباء کی شمار کرائی تو ایک وقت میں سولہ سو سے کچھ زائد طلباء تھے۔ عبداللہ بن مسعود کو فاروق اعظم نے اہل کوفہ کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ اسرار الانوار میں ہے۔ کوفہ میں ابن مسعود کے حلقہ درس میں ایک وقت میں چار ہزار طلباء شریک ہوتے۔ جناب امیر جب کوفہ میں داخل ہوئے اور ابن مسعود مع اپنے شاگردوں کی جماعت کے استقبال کے لئے باہر نکلے تو کوفہ کا تمام میدان بھر گیا اور جہاں تک نظر کام دیتی تھی طلباء ہی نظر آتے تھے۔ جناب امیر نے فرمایا۔ ابن مسعود نے کوفہ کو علم سے لبریز کر دیا۔ فاروق اعظم نے اپنے عہد میں تراویح کی جماعت کا رمضان میں حکم دیا جس کی وجہ سے ہر مسجد میں



ایک بار تو قرآن رمضان میں پڑھا جانے لگا۔ اور نیز خلیفہ دوم نے خاص لکھانے کے لئے مدرسے قائم کئے تھے۔ اور لکھانے کا اس قدر اہتمام تھا کہ جو لڑکے کفار کے گرفتار ہو کر آتے وہ بھی ان مدرسوں میں داخل کئے جاتے۔ سلیم ابو عامر کا بیان ہے کہ میں جب گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو مجھے معلم کے سپرد کیا گیا تاکہ وہ لکھنا سکھلائے۔ معلم نے مجھے میم لکھنے کو کہا۔ جب میں نے اُسے اچھی طرح سے نہ لکھا تو کہا کہ گائے کی آنکھ کی طرح گول لکھ۔ (معجم البلدان لغت حاضر)

تعجب ہے کہ خلیفہ دوم نے اشاعت قرآن میں سعی کا کوئی درجہ فرو گذاشت نہیں کیا اور اُس وقت کے مسلمانوں کے ذوق و شوق نے بھی طلب کے تمام منازل طے کر دیئے تھے۔ ایک حدیث کی طلب میں مہینوں کے راستے پیادہ یا بھوکے پیاسے طے کرتے۔ اور ناقابل برداشت مصائب کو بھی ان کے ذوق و شوق کے آگے شکست فاش اٹھانی پڑتی لیکن وہ قرآن جو آسمانی کتاب تھی اور تمام خوبیوں اور اخلاق کا منبع تھی جس پر ان کا ایمان تھا جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے توجیح نہیں کرایا اور خلیفہ اول نے جمع کرایا۔ مگر کسی نے اس جمع شدہ کی طرف توجہ نہ کی۔ کیا یہ بات کوئی موافق اور مخالف باور کر سکتا ہے کہ اس وقت کے مسلمان ایسی بے اعتنائی سے پیش آتے خصوصاً اُس حالت میں جبکہ آج بھی مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ قرآن کے متعلق اگر کسی کتاب کا مسلمان کو علم ہو کہ فلاں جگہ قرآن کے متعلق فلاں کتاب ہے تو اسے نقل کراتے ہیں خواہ اس میں ان کو جانی مالی قربانی کرنی پڑے۔ بلکہ دوسرے علم کے متعلق بھی مسلمانوں کی یہی کوشش ہے۔ ان واقعات سے ہر منصف سمجھ دار کے نزدیک یہ امر نہایت روشنی میں آجاتا ہے کہ قرآن آنحضرت کے عہد میں جمع تھا اور تمام بلاد اسلامیہ میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا اسی لئے انھیں اس کو واسطے کہیں طلب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ خلیفہ کو اس کی ضرورت تھی کہ وہ قرآن کی نقلیں بھیجتے۔ ورنہ اگر قرآن جمع شدہ ہر جگہ نہ ملتا تو خلیفہ دوم ضرور اس کی نقلیں بھجواتے اور یہ ناممکن تھا کہ وہ اس نظر توجہ نہ کرتے۔ کیونکہ علاوہ اور باتوں کے اُس وقت تمام فیصلوں کا دار و مدار قرآن پر ہی تھا اور یہی قانون ملکی اور مذہبی تھا تو اس لئے بھی ہر حاکم اور ہر قاضی کے پاس اس کا ہونا ضروری تھا۔ اور جب کہ خلیفہ اول اور دوم کی یہ فادت تھی کہ معمولی ہدایتیں اور احکام بھی لکھا کر عمال اور حاکموں کو دیتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ اصل قانون ان کے ہمراہ نہ کیا جاتا اور پرگنہ، صوبہ، ملک اس سے خالی رہتا۔ چنانچہ اسی کو علامہ ابن حزم، کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔

مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْإِسْلَامُ قَدْ اِنْتَشَرَ وَظَهَرَ فِي جَمِيعِ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ  
مِنْ مَنَقَطِ الْبَحْرِ الْمَعْرُوفِ بِبَحْرِ الْقَلْزَمِ مَا ثَلَاثًا إِلَى سَوَاحِلِ الْيَمَنِ كُلِّهَا إِلَى بَحْرِ فَارَسَ إِلَى مَنَقَطِهِ  
مَا ثَلَاثًا إِلَى الْفُرَاتِ ثُمَّ عَلَى ضَفَةِ الْفُرَاتِ إِلَى مَنَقَطِ الشَّامِ إِلَى بَحْرِ الْقَلْزَمِ وَفِي هَذِهِ الْجَزِيرَةِ مِنْ

المدین والقری ما لا یعرف عدده الا الله عز وجل کالیمین والبحرین وثمان ونجد وجبلی طی و بلاد مصر وربیعہ وقضاة والطائف ومكة کلهم قد اسلم وبنوا المساجد لیس منها فدینة ولا قریة وه حلة الاعراب الا قد قرأ فیها القرآن فی الصلوات وعلمه الصبیان والرجال والنساء وکتب ومات رسول الله صلی الله علیه والمسلمون کذلک لیس منهم اختلاف فی شیء اصلاً بل کلهم امة واحدة ودين واحد ومقالة واحدة ثم ولی ابوبکر سنتین وستة اشهر فغزى فارس والروم وفتح الیمامة وزادت قراءة الناس للقرآن وجمع الناس المصاحف کاتبی وعمر وثمان وعلی وزید وابی زید وابن مسعود وسائر الناس فی البلاد فلم یبق بلد الا ویتیه المصاحف ثم مات رضی الله عنه والمسلمون کما كانوا لا اختلاف بینهم فی شیء اصلاً امة واحدة ومقالة واحدة ثم مات ابوبکر وولی عمر ففتحت بلاد الفرس طولا وعرضا وفتحت الشام كلها والجزیرة ومصر كلها ولم یبق بلد الا وبنیت فیہ المساجد ونسخت فیہ المصاحف وقرأ الائمة القرآن وعلمه الصبیان فی المكاتب شرقا وغربا وبقی کذلک عشرة اعوام وثمانیا والمؤمنون کلهم لا اختلاف بینهم فی شیء بل ملة واحدة ومقالة واحدة وان لم یکن عند المسلمین اذ مات عمر مائة الف مصحف من مصر الى العراق الى الشام الى الیمین فما بین ذلک فلم یکن اقل ثم ولی عثمان فزادت الفتح والتسع الامر فلو رام احد احصاء مصاحف اهل الاسلام ما قدر وبقی کذلک اثنتی عشرة عاما حتی مات وبموتہ حصل الاختلاف۔

(ع ۲ ص ۷)

ترجمہ :- جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت تمام عرب کا جزیرہ مسلمان ہو گیا تھا جو مغرب میں بحر قلزم سے لے کر سواحل یمین سے گزرتا ہوا مشرق میں بحر فارس پر ختم ہوتا ہے اور بحر فارس سے دریائے فرات پر گزرتا ہوا شام کے کنارے کنارے بحر قلزم پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس جزیرہ عرب میں اس قدر کثیر شہر اور مواضع ہیں کہ جن کی شمار کا علم خدا ہی کو ہے جیسے یمین بحرین عمان نجد قبیلہ طے دو پہاڑ۔ آجا سلمے، قبائل مصر، ربیعہ، قضاة کے قصبات طائف مکہ، مدینہ وغرضکہ یہ تمام جزیرہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس میں کوئی شہر اور گاؤں اور آبادی ایسی نہ تھی جہاں مسجد نہ ہو اور ان تمام مسجدوں میں پانچوں وقت نماز میں قرآن پڑھا جاتا تھا اور مسلمان اپنے بچوں اور عورتوں اور مردوں کی قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرت کی وفات کے وقت مسلمانوں میں کسی امر میں اختلاف نہ تھا۔ بلکہ تمام کا ایک مذہب ایک بات تھی۔ پھر حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور ڈھائی سال خلیفہ رہے۔ فارس اور روم سے جہاد کیا۔ یمامہ کو از سر نو فتح کیا اور اب قرآن کو جاننے والے اور زیادہ ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے قرآن لکھا تھا جیسے ابی عثمان، عمر، علی، زید، ابوزید

ابن مسعود اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں اور بہت لوگ تھے جنہوں نے قرآن لکھا تھا۔ غرض کہ کوئی شہر مسلمانوں کا ایسا نہ تھا جس میں قرآن کے نسخے لکھے ہوئے نہ ہوں۔ پھر خلیفہ اول کا انتقال ہوا اور مسلمانوں کی بدستور وہی حالت تھی یعنی ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور فارس، شام، جزیرہ اور مصر کو فتح کیا اور ان تمام بلادِ اسلامیہ میں مسجدیں بنائی گئیں اور قرآن لکھے گئے اور بدستور قرآن پڑھایا جاتا تھا اور دس سال کچھ مہینے یہی حالت رہی کہ کسی میں کچھ اختلاف نہ تھا۔ تمام کا ایک مذہب ایک خیال تھا اور عہدِ عمر میں ایک لاکھ سے کم نسخے قرآن کے مسلمانوں کے پاس نہ ہوں گے۔ پھر حضرت عمر کا انتقال ہوا اور حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور فتوحاتِ اسلام بہت زیادہ ہوئیں اور اسی کے ساتھ تمام باتوں میں زیادتی ہوئی۔ مثلاً قرآن، مہاجد وغیرہ پہلے سے اور زیادہ ہوئیں اور اس زمانہ میں قرآن کے اس قدر نسخے لکھے گئے اور مسلمانوں کے پاس موجود تھے۔ کہ ان کی شمار دشوار تھی اور یہی حالت اتفاق کی بارہ سال رہی۔ جب حضرت عثمان کا انتقال ہوا اسی وقت سے اختلاف شروع ہوا۔

اب میں اس حدیث زہری پر دو طرح سے غور کرتا ہوں۔ اول اس حدیث کی سند میں دوسرے اس کے مضمون اور معانی پر۔

اس میں شک نہیں کہ محدثین نے اتفاق اس حدیث کو صحیح مانا ہے | **زہری کی حدیث کی سند** اور اسی وجہ سے بخاری ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث ہے۔ اس روایت کا راوی تنہا زہری ہے۔ زہری کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا البتہ زہری سے چند نے اسے روایت کیا ہے اس لئے یہ روایت محدثین کے یہاں خبرِ آحاد سے ہے۔ یعنی وہ روایت جس کا راوی کسی مرتبہ میں محض ایک ہی ہو۔ زہری اگرچہ محدثین کے یہاں نہایت معتبر قابلِ وثوق اور راستباز اور امین ہے اور تمام کتب صحاح میں اس کی روایت ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ مذہب تھا۔ یعنی اپنے کلام کو حدیث میں اس طرح ملا کر بیان کر دیتا تھا کہ سننے والے کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ

امام ابوالحارث لیث بن سعد کی وفات مسئلہ میں ہوئی ہے۔ یہ مصر کے امام اور امام دارالہجرہ مالک بن انس کے ہم سبق اور رفیق و صدیق تھے۔ انہوں نے امام مالک کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے۔ مکتوب کیا ہے ایک بیش قیمت علمی وثیقہ ہے۔ علامہ ابن ابی نینہ نے اپنی تالیفات میں اس کو محفوظ کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے کتاب **إعلام الموقعین عن رب العالمین** میں (حصہ سوم کے صفحہ ۷۲ سے ۷۷ تک) اور علامہ محمد بن محمد بن المنفرد نے کتاب **التشویح الإسلامی** میں (صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۶ تک) نقل کیا ہے۔ اس مکتوب میں امام لیث نے اپنے استاد امام زہری کے متعلق جو نکات بیان کیے ہیں انہی کے الفاظ سے نقل کرتا ہوں لکھا ہے:-

”وكان يكون من إبن شهاب إختلاف كثير إذا ألقيناها وإذا كاتبه بعضنا فربما كتب إلي في الشيء الواحد على تفضيل رأيه وعليه بثلاثة أنواع، ينقض بعضها بعضاً ولا يشعر بالذي“  
(باقی اعلیٰ صفحہ پر)

بھی حدیث ہے۔ اور دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں زہری کے متعلق اس کو لکھتے ہیں۔ المعتصر من المختصر ص ۱۲۵ میں ہے۔ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِ الزَّهْرِيِّ فَإِنَّهُ كَانَ يَخْلُطُ كَلَامَهُ بِالْحَدِيثِ وَلِذَا ذَلِكَ قَالَ لَهُ مُوسَى بْنُ عَقْبَةَ إِفْصِلْ كَلَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَلَامِكَ۔ اور شاید یہ زہری کا اپنا کلام ہونہ حدیث کیونکہ زہری کی یہ عادت تھی کہ وہ حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتے تھے۔ اسی واسطے موسیٰ نے زہری سے کہا کہ۔ حدیث سے اپنے کلام کو علیحدہ رکھو بلایا نہ کرو، تو ایسی حالت میں یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اصل واقعہ کس قدر ہے اور امام زہری نے اپنی طرف سے بھی کوئی تشریح کی ہے یا نہیں۔ اس کے سوا بھی چونکہ یہ ایک شخص تنہا زہری کا بیان ہے اور ایک ایسے امر کے خلاف ہے جو تو اتر سے ثابت ہے اور تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے تو اس لئے یہ ان کثیر شہادتوں کے مقابلہ میں نہیں مانا جاسکتا۔ جیسا مسلمانوں کا عام اصول ہے کہ خبر احاد امر یقینی کے مقابلہ میں ہرگز لائق وثوق نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہاں کسی راوی سے بیان میں غلطی ہوئی ہو۔ بہر حال تنہا زہری کی روایت سے ہم ان روایات کو نہیں چھوڑ سکتے جن سے ثابت ہے کہ بہت سے لوگوں نے آنحضرت کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔

**زہری کے بیان میں اختلاف** | زہری کی اس روایت میں اضطراب یعنی اختلاف ہے

میں یہاں زہری کی انہیں روایتوں کا اختلاف دکھاتا ہوں جو بخاری میں زہری سے ہے۔ اس حدیث کی زہری سے جس قدر روایتیں ہیں چونکہ ان میں صحیح اور معتبر بخاری کی سندیں ہیں اس لئے ان سندوں کے اختلاف سے تاثرین خود فیصلہ کر سکیں گے کہ یہ حدیث کہاں تک وثوق کے قابل ہے۔ بخاری کی کتاب الاحکام میں ابن شہاب زہری سے ابراہیم بن سعد نے روایت کی ہے۔

بخاری میں سورہ برآة کی تفسیر میں اسی روایت کے زہری سے شعیب راوی ہے لیکن زہری کے ان دونوں مشاہدوں کی روایت میں یہ اختلاف ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

مضی من رأیہ فی ذلک، فقد الذی یدعون فی الی تروک ما انکرت توکی ایاتہ الخ  
ابن شہاب زہری کا مسائل میں بہت اختلاف ہوا کرتا تھا، جب ہم ان سے زبانی پوچھتے یا ہم میں سے کوئی لکھ کر ان سے روایت کرتا تو۔ باوجود فضیلت رائے اور علم کے ایک ہی شے کے متعلق ان کا جواب تین قسم کا ہوا کرتا تھا اور ایک دوسرے کا رد۔ لیکن کو اس کا احساس نہیں ہوا کرتا تھا کہ پہلے کیا لکھ چکے ہیں اور ان کی کیا رائے تھی۔ میں نے ایسے ہی منکر اقوال کی وجہ سے ان کو چھوڑا تھا جس کو تم نے پسند کیا تھا!

ابراہیم بن زید عنی الشرح

کتوب الاول تا آخر شاہین مطالعہ ہے

## شعیب کی زہری سے روایت

(۱) قَدْ اسْتَحْرَیَوْمَ الْیَمَامَةِ بِالنَّاسِ

معرکہ یمامہ میں بہت لوگ کام آئے

(۲) مِنَ الرِّقَاعِ وَالْاَكْتافِ وَالْعُسْبِ وَ

صُدُورِ الرَّجَالِ۔

ابراہیم کی روایت میں بجائے اکتاف کے لٹاف ہے۔

## ابراہیم کی زہری سے روایت

قَدْ اسْتَحْرَیَوْمَ الْیَمَامَةِ بِقِرَاءِ الْقُرْآنِ۔

معرکہ یمامہ میں بہت قاری قرآن شہید ہوئے

مِنَ الْعُسْبِ وَالرِّقَاعِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ

الرِّجَالِ۔

فَوَجَدْتُ اٰخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ

مَعَ خُرَيْمَةَ اَوْ ابْنِ خُرَيْمَةَ

اس کی روایت میں یہ لفظ نہیں

اس کی روایت میں یہ نہیں

(۳) حَتَّى وَجَدْتُ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ اٰیَتَيْنِ

(۴) مَعَ خُرَيْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ

(۵) لَمْ اَجِدْهُمَا مَعَ اَحَدٍ غَيْرِهِ

(۶) فَالْحَقَّقْتُهُمَا فِي سُورَتِهِمَا

## زہری کی روایت کا واقعات اور دوسری صحیح روایتوں کے خلاف ہونا (۱) تاریخ اور صحیح

روایات بلکہ خود بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ زید نے آنحضرت کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ معارف ابن قتیبہ میں ہے۔ زید نے تمام قرآن لکھا تھا اور اس قرآن کو اخیر میں آنحضرت کو تمام و کمال سنایا تھا۔ اس قرآن کی ترتیب وہی تھی جو آج بھی قرآن کی ہے۔ ترمذی میں زید سے ہے کہ ہم نے آنحضرت کے روبرو ہی قرآن کو جمع کیا تھا اور نیز تمام محدثین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ زید قرآن کے حافظ تھے اور پورا قرآن آپ کو یاد تھا۔ خلیفہ اول نے جب زید کو جمع قرآن کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اسے تلاش کر کے لکھو تو اس وقت زید کا جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ قرآن جمع شدہ ہمارے پاس موجود ہے اور مجھے یاد ہے اس کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ باوجود زید کے حافظ اور جامع قرآن ہونے کے جو متعدد روایات سے ثابت ہے اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں۔ تمام کتب رجال اس کی شاہد ہیں جس کے خلاف میں ضعیف سی بھی روایت اور قول نہیں۔ پھر زید کا قرآن کو تلاش سے لکھنا جیسا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے ایک ایسا امر ہے جس کے باور کرنے کے لئے کوئی ضعیف سی ایسی وجہ بھی نہیں کہی جاسکتی جس کو کوئی فہمیدہ انسان صحیح مان سکے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں زہری کی روایت کی اس مخالفت کو بیان کیا ہے میں یہاں اس مخالفت کو انہیں کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔

وَأَمَّا حَدِيثُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ أَحَدَ الَّذِينَ جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحِيحٌ وَقَدْ عَارَضَهُ قَوْمٌ مَجْدِيثِ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ عَبْدِ بْنِ  
السَّبَّاقِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ أَمَرَهُ فِي حِينِ مَقْتَلِ الْقُرْآنِ بِالْيَمَامَةِ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ  
قَالَ فَجَمَعْتُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْعُسْبِ وَصَدُّوا الرِّجَالَ حَتَّى وَجَدْتُ إِخْرَاطِيَةَ مِنْ تَوْبَةٍ  
مَعَ مَنْ جُلُّ يُقَالُ لَهُ نُحْزِيمَةٌ أَوْ أَبُو نُحْزِيمَةَ قَالُوا فَلَوْ كَانَ زَيْدٌ قَدْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَفْلَاهُ مِنْ صَدْرِهِ وَمَا أَحْتَاجَ إِلَى مَا ذَكَرَهُ - (استيعاب جداول صفحہ ۱۹۴)

مجھے صرف یہاں اس قدر کہنا ہے کہ زید کا حافظ ہونا اور تمام قرآن کا آنحضرت کی حیات میں لکھنا صحیح روایتوں سے معلوم ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر کو بھی اس کا اقرار ہے تو زید اگر خلیفہ اول کے عہد میں جمع قرآن کی خدمت پر مامور ہوتے تو اپنی یاد اور اپنے قرآن سے لکھتے نہ کہ دوسری اشیا سے۔ اور نہ زید وہ عذر کرتے جو اس حدیث میں زید کی طرف نسبت کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت یا تو بے اصل ہے، یا درمیان کے راویوں کے بیان کی غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ زید کے پاس چونکہ ایسا لکھا ہوا قرآن تھا جس کو آخر میں انھوں نے آنحضرت کو سنایا تھا۔ اس لئے خلیفہ اول نے اس کی کوئی نقل اپنے لئے کرائی ہو اور زید نے اُسے حضرت ابوبکر کے لئے نقل کیا ہو جیسا کنز العمال کی ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے لیکن رواۃ نے اپنی غلطی سے اس واقعہ کو کچھ کاجھ کر دیا۔ اور راوی حدیث چونکہ انسان تھے اور انسان بھی وہ جو نبی نہ تھے، اس لئے اُن سے وہم و خطا کا ہونا بعید نہیں۔ جیسا علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں :-

وَأَمَّا قَوْلُهُمْ أَنَّهُ قَدْ رَوَى بِأَسَانِيدٍ صَحِيحَةٍ عَنْ طَائِفَةٍ مِنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنَ التَّابِعِينَ الَّذِي نُعْظَمُ وَنَأْخُذُ دِينَنَا عَنْهُمْ أَنَّهُمْ قَرَأُوا فِي الْقُرْآنِ قِرَاءَاتٍ لَا نَسْتَحِلُّ نَحْنُ الْقِرَاءَةَ بِهَا فَهَذَا أَحَقُّ وَنَحْنُ دَانَ بَلْغْنَا الْغَايَةَ فِي تَعْظِيمِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضَوْنَا اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَتَقَرَّبْنَا إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِمَجْبَتِهِمْ فَلَسْنَا نَبْعُدُ عَنْهُمْ الْوَهْمَ وَالْخَطَأَ وَلَا نَقْلُدُهُمْ فِي شَيْءٍ عِندَمَا قَالُوا - (ج ۲ صفحہ ۴۷)

ترجمہ :- اور لوگوں کا یہ خیال کہ نہایت صحیح سندوں سے صحابہ اور تابعین سے ایسی قراءت قرآن میں مروی ہیں جن کا پڑھنا درست نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خیال صحیح ہے اور صحابہ ہونوں اللہ علیہم کی تمام مسلمان بے انتہا عزت و تعظیم کرتے ہیں اور اُن کی محبت کو باعثِ نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم انھیں وہم، نسیان، خطا سے معصوم نہیں جانتے۔ اُن سے اس قسم کے امور ممکن ہیں۔

(۲) بخاری اور نیز دیگر روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت کی حیات مبارک میں بہت سے صحابہ نے قرآن جمع کیا تھا۔ چنانچہ اُن میں چار کے نام تو بخاری ہی نے انس کی روایت سے نقل کئے

ہیں۔ اور ایک طویل فہرست پہلے میں بھی ان کے ناموں کی دے چکا ہوں۔ علامہ ابن سعد نے بھی طبقات قسم ثانی ج ۲ ص ۱۱۲ میں بعض ایسے صحابہ کے نام شمار کئے جنہوں نے آنحضرت کی زندگی میں پورا قرآن جمع کیا تھا چنانچہ میں یہاں ان کی عبارت لکھتا ہوں :-

عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ رَهْطٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأَبِيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو الدَّرْدَاءِ وَأَبُو زَيْدٍ وَسَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ تَدَاكَانَ بَفِي عَلَى الْجَمْعِ بِنِ جَارِيَةَ سُورَةَ أَدْرُسُورَتَانِ جِبْنِ قُبُصِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ :- حافظ ابن سعد طبقات میں علامہ شعبی اور محمد بن سیرین اور محمد بن کعب کی روایت سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت کے عہد مبارک میں انصار میں سے چھ افراد معاذ بن جبل، اُبی بن کعب، زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابو زید، سعد بن عبید نے پورا قرآن جمع کیا تھا۔ البتہ مجمع بن جاریہ کو دو سورت یا ایک سورت جمع کرنے کو باقی تھی جو آنحضرت کا انتقال ہو گیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَيَوْنٍ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَتَيْمِيُّ الدَّارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرظِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَةَ مِنْ الْأَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عِبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ أَبِيُّ بْنُ كَعْبٍ أَبُو أَيُّوبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ.

اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت کے عہد ہی میں قرآن جمع ہو گیا تھا اور بہت سے صحابہ نے اسے جمع کیا تھا۔ تو پھر حضرت عمر کا حضرت ابوبکر سے یہ کہنا اتنی آری ان تَامُرُ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ یعنی میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کو فرمائیے۔ اور اس کے جواب میں حضرت ابوبکر کا یوں فرمانا کَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ جو کام آنحضرت نے نہیں کیا وہ تو کیونکر کرے گا، کیونکر صحیح ہوگا۔ اور یہ بات غلط ہے یا نہیں۔

(۳) سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے سوا مشہور قرار سے کوئی قاری اس جنگ میں شہید نہیں ہوا۔ اور عام ان مسلمانوں کی تعداد جو اس جنگ میں شہید ہوئے۔ چودہ سو تک بیان کی جاتی ہے جن میں چھ تلوہا جرین اور انصار ہیں۔ یہ تعداد اس وقت کے مسلمانوں کے لحاظ سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں جبکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے تو اگر یہی مان لیا جائے کہ اس وقت تمام مسلمان اسی قدر تھے۔ گو کہ یہ امر کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ مگر اس پر بھی چودہ سو مسلمان اس تعداد کے مقابلہ میں کسی شمار میں نہیں آسکتے اور اس واقعہ میں جو ستر قرار کی شہادت بیان کی جاتی ہے ان کے متعلق محدثین اور مؤرخین کا یہی بیان ہے کہ ان میں سے ہر ایک پورے قرآن کا حافظ نہ تھا بلکہ قرآن کے کچھ اجزاء ان کو یاد تھے۔

قاری قرآن کے اگر یہی معنی ہوں تو پھر ہاجر اور انصار سے جو اس میں شہید ہوئے وہ سب قاری تھے۔ کیونکہ مسلمانوں میں خصوصاً اس عہد میں کوئی بد قسمت مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جسے قرآن کچھ بھی یاد نہ ہو تو اب زید بن ثابت کا اس روایت میں یہ کہنا کہ **إِنَّ الْقَتْلَ قَدْ اسْتَحْرَيْكَ مَا لِيَمَامَةَ بَقَرَاءِ الْقُرْآنِ** ہر اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ قاری قرآن کے اگر یہ معنی ہوں کہ جسے پورا قرآن یاد تھا تو وہ بھی اس لڑائی میں سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے سوا کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور اگر قاری قرآن کے یہ معنی ہوں جسے قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو خواہ وہ ایک دو سورت ہی ہوں تو اس معنی کی رو سے تمام مسلمان قاری قرآن تھے۔ اور جزیرہ عرب میں جس قدر مسلمان تھے وہ تمام ہی قاری تھے۔ پھر ان کی تعداد کے اعتبار سے بھی چودہ سو مسلمان کچھ زیادہ نہ تھے۔ اور اگر کہا جائے کہ مشہور قرار سے تو سالم ہی شہید ہوئے لیکن ان کے سوا اور بھی پورے قرآن کے حافظ اس لڑائی میں ایسے شہید ہوئے جو مشہور نہ تھے۔ تو اس صورت میں اصل واقعہ روشنی میں آجائے گا۔ یعنی صحابہ میں بہت سے صحابی قرآن کے حافظ تھے۔ مگر اس پر بھی اس تعداد کا زیادہ ہونا مشکل ہے۔ بہر حال یہ بیان واقعات کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ امی تھے اس لئے آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ قرآن لکھا کر اپنے پاس رکھتے۔ البتہ صحابہ کو پورا قرآن حرف بحرف لکھایا اور اس لکھانے کا نہایت اہتمام کیا اور اکثر صحابہ نے آپ کے عہد میں آپ سے پورا قرآن لکھ کر جمع کیا۔ تو اب خلیفہ روم کا جمع کے لئے شورہ دینا ایسا امر نہ تھا جس میں خلیفہ اول اور زید کو تامل ہوا اور مباحثہ کی نوبت آئی۔ اور حضرت عمر سے یہ فرمایا۔ **كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کیا آنحضرت نے قرآن لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیا آپ کے عہد میں لکھ کر قرآن نہیں پڑھایا جاتا تھا؟ کیا خلیفہ اول اور زید اس سے ناواقف تھے؟ کیا اس کا صاف اور صحیح جواب صرف یہی نہ تھا کہ بلاشبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع کرایا۔ اور آپ کے امر سے صحابہ نے لکھا۔ اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کرایا۔ تو کیا حفاظت کے لئے جمع کرانا ایسا امر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف ہو۔ کیا خود آنحضرت ایسے امور کو نہیں لکھاتے تھے جن کا استحفاظ اور اہتمام مقصود ہوتا تھا۔ ابو شاہ صحابی نے فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن کر جب آپ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ اسے لکھا دیجئے تو کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا **اَلْكَتُبُ اَلْاَبِي شَاهٍ** یعنی ابو شاہ کو لکھ دو۔ **قَالَ اَبُو دَاوُدَ فَكَتَبُوا اِلَيْهِ يَعْنِي خُطْبَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** یعنی ابو شاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ لکھانے کی درخواست کی (ابوداؤد) کتاب الریات۔ اور کیا حضرت ابو بکر خود اپنے عمال کو ہدایت نہیں لکھا دیتے تھے۔ اور کیا آنحضرت نے قرآن کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیا حضرت عبداللہ بن عمرو نے جب



حدیثوں کے ضائع ہونے اور اپنے بھول جانے کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے انہیں لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ پھر کیا ابو بکر ان تمام واقعات سے ناواقف تھے۔ یا اللعجب۔

یہ سوال وجواب بجائے خود اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لئے قوی شہادت ہے۔ اور جو امر کہ عام اتفاق سے ثابت ہے۔ اور آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس پر غبار ڈالنا اور چھپانا ناممکن ہے۔

(۵) خلیفہ اول نے یہ قرآن اگر لکھایا ہوگا تو بیت المال کے روپے سے لکھایا ہوگا۔ کیوں کہ خلافت سے چھ مہینے بعد خلیفہ کے مصارف کا مکتفل بیت المال کیا گیا تھا اور بیت المال سے وہ اپنے ضروری مصارف خور و نوش کے مطابق لیتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ اول کے حالات میں مؤرخین لکھتے ہیں۔ اور نیز اس واقعہ سے بھی اس کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کی بی بی نے ایک روز جب شیرینی کی فرمائش کی تو جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے کہا۔ اجازت ہو تو روزمرہ کے صرف سے کچھ بچا کر جمع کر لوں۔ فرمایا بہتر۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع کر کے دیتے۔ اور کہا مٹھائی لا دو۔ خلیفہ نے پیسے لے کر فرمایا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں لہذا بیت المال کے ہیں اور بیت المال میں جمع کر کے اپنے وظیفہ سے اسی قدر کم کر دیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ کے پاس اپنا ذاتی سامان کیا تھا اور بیت المال میں انہیں کس قدر احتیاط تھی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس قرآن کے مصارف بیت المال سے ادا کئے گئے ہوں گے۔ اور یہ قرآن چونکہ بیت المال کا حق تھا اسی لئے یہ ان کی وفات کے بعد خلیفہ اول کے ورثا کو نہیں دیا گیا بلکہ بیت المال میں رہا۔ اور خلیفہ دوم کے پاس پہنچا۔ اگر خلیفہ اول کا اپنا ہوتا تو ضروران کے ورثا کو ملتا۔ لیکن یہاں رو باتیں اس واقعہ کو غلط ٹھیراتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خلیفہ اول نے بیت المال کی جو اشیاء چھوڑیں اور وہ خلیفہ دوم کو سپرد کی گئیں۔ ان کی فہرست میں اس قرآن کا نام نہیں ہے اور خلیفہ اول نے جن چیزوں کے سپرد کرنے کو فرمایا تھا اس میں اس کا نام نہیں آیا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے۔

قال ابو بکر لما اختصر لعائشة يا بنية انا ولينا امر المسلمين فلم نأخذ لنا دينارا ولا درهما ولكن اكلنا من جريش طعاهم في بطوننا اولبنا من حشني ثيابهم على ظهورنا وانه لم يبق لنا عندنا من في المسلمين قليل ولا كثير الا هذا العبد الحبشي وهذا البعير الناضح وجردى هذا القطيفة فاذا امت فابعثي بهن الى عمر۔

ترجمہ: حضرت ابو بکر نے نزع کے وقت فرمایا کہ اے بیٹی میں خلیفہ بنا یا گیا میں نے بیت المال سے روپیہ نہیں لیا مگر بقدر موٹا کھانے اور موٹا پہننے کے اور اب میرے پاس بیت المال کا سوا اس

غلام حبشی اور پانی لانے کی ادٹنی اور اس پرانی چادر کے کچھ نہیں۔ میرے بعد اس کو عمر کے پاس بھیج دینا۔ اگر واقعی کوئی قرآن بیت المال کے صرف سے اس اہتمام سے لکھا گیا تھا تو بیت المال کی فہرست میں اس کا نام ضروری ہوتا۔ اور خلیفہ اول اس کے سپرد کرنے کو اہتمام سے فرماتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلیفہ دوم کے بعد یہ قرآن خلیفہ سوم کی تحویل میں ہونا چاہیے تھا نہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔ کیونکہ یہ خلیفہ کی اپنی ذاتی ملک نہ تھی۔ اب بعید نہیں بلکہ یہ امر نہایت قریب تر ہے کہ احتمالات اور امکانات کے ورطہ میں غوطہ لگانے والے جدت آفرینی کی یوں داد دیں کہ یہ قرآن خلیفہ اول کا ذاتی تھا۔ اپنے خاص روپے سے لکھا یا تھا۔ اور خلیفہ دوم کو آخر وقت میں انہوں نے ہبہ کر دیا تھا اور بیت المال کا نہ تھا تا کہ خلیفہ دوم کی وفات کے بعد خلیفہ سوم کی نگرانی میں پہنچتا۔ اُن کی اس جدت اور نکتہ آفرینی کی میں بھی دل سے قدر کرنے کو اور داد دینے کو تیار ہوں۔ مگر وہ ہبہ نامہ جس کی رو سے یہ ہبہ ثابت کیا جائے اگر کسی سند میں دکھائیں اور خلیفہ اول کی آمدنی میں اس قدر قوت اور زور دکھائیں جو اس بار کی متحمل ہو سکے تو البتہ قابل تسلیم ہے اور بلا اس کے یہ خیال آفرینی واقعیت کی سطح پر رو نما نہیں ہو سکتی بلکہ تاریخ سے تو یہ ثابت ہے کہ نہ خلیفہ اول کے پاس اپنا ذاتی اس قدر مال تھا جس سے قرآن لکھاتے اور بیت المال سے اپنے مصارف کے لئے جو کچھ وہ لیتے تھے اُس میں نہ اس کی گنجائش تھی۔ الغرض اس قرآن کے لکھانے کی وہی صورت ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس صحیفہ وغیرہ کی قیمت خلیفہ اول اپنے پاس سے صرف کریں دوسرے یہ کہ بیت المال سے دیں۔ اور واقعات ان دونوں صورتوں کے مخالف ہیں۔

(۵) اس روایت میں یہ کہنا کہ سورہ برارہ کا آخر ابو خزیمہ انصاری کے ہر ایک دوسرے کے پاس نہ تھا ایک ایسی پہیلی اور چیتان ہے جس کی گرہ کشائی ناممکن ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سورہ برارہ پوری ایک وقت میں کامل آخر زمانہ میں نازل ہوئی۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع میں پڑھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوے سال حج میں تین مقامات میں یعنی عرفہ منیٰ یا مکہ میں لوگوں کو تمام و کمال سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یاد کرنے کا خاص حکم دیا۔ زید کو تمام قرآن یاد تھا اور لکھا ہوا تھا۔ ابی بن کعب کے پاس بھی تمام قرآن لکھا ہوا اور یاد تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سورہ برارہ یاد تھی۔ چنانچہ انہوں نے مکہ میں جا کر سنائی اور زید کے قرآن لکھنے کے وقت یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے۔ پھر اب زید کا یہ کہنا کہ ابو خزیمہ کے سوا کسی کے پاس یہ آیت نہ تھی وہ بات ہے جس کے ماننے کے لئے کسی طرح کوئی مسلمان تیار نہیں ہو سکتا۔

الحاصل زہری کی اس روایت میں چھ امر تو ایسے ہیں جو واقعات کی رو سے سچائی کے معیار

میں صحیح نہیں اترتے اور وہ بالکل غلط ہیں۔

(۱) جنگ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری شہید ہوئے۔

(۲) زید نے آنحضرتؐ کی حیات میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۳) زید پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔

(۴) آنحضرتؐ نے پورا قرآن جمع نہیں کرایا تھا۔

(۵) حضرت عثمان نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۶) ابو خزیمہ انصاری کے سوا کسی کے پاس سورہ برارہ کا آخر لکھا ہوا نہ تھا۔ اور سات ہیں

ایسی ہیں جو شب و روز کے تخریب اور صحابہ اور مسلمانوں کے حالات کے اعتبار سے بعید نہیں اور یہ

دونوں ان کی اجازت نہیں دیتے۔

(۱) ڈیڑھ سال میں زید کا تمام و کمال قرآن کو تلاش کر کے لکھ دینا۔

(۲) حضرت عمرؓ کا یہ خیال کرنا کہ قرآن ضائع ہو جائے گا۔

(۳) قرآن جمع کرنے کے پہلے قاریان قرآن کو لڑائی میں بھیجنا۔

(۴) قرآن کے جمع کرنے کو محض زید کے متعلق کرنا۔ باوجودیکہ خود مدینہ میں ان سے بہتر

قاری بھی موجود تھے۔

(۵) اس قرآن جمع شدہ کا حضرت حفصہ کے پاس رہنا نہ خلیفہ سوم کے۔

(۶) خلیفہ اول اور دوم کا اپنے عہد میں اس قرآن کی نقلیں ملک میں شائع نہ کرنا۔

(۷) مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کا بھی اس قرآن کی نقل نہ لینا۔

اس کے علاوہ زہری کی روایت کا اختلاف اور نیز زہری کی یہ تنہا روایت بہت سی ان

روایات کے مخالف ہے جو اپنی کثرت کی وجہ سے تو اتر کے مرتبہ میں پہنچ گئے ہیں۔

یہ عجب بات ہے کہ جو واقعہ نہایت ہی بے اصل اور سراسر غلط اور جس قدر بے بنیاد ہوتا ہے

اُسی قدر مشہور اور زبان زد عوام و خواص ہو جاتا ہے۔ خلیفہ اول کے جمع قرآن کے واقعہ نے شہرت کا

یہ درجہ پایا ہے کہ آج محدثین اور مورخین اور ہر مسلمان کی زبان اور قلم پر ہے۔ اور انتہا یہ ہے کہ

بخاری جیسے ناقد اور محقق کی تحقیق کی روشنی بھی اس شہرت کے آگے ماند پڑ گئی۔ مگر پھر بھی حق حق

ہے اور باطل باطل جھوٹ اور فریب گو مشہور ہو جائے۔ قبول کر لیا جائے لیکن انجام کار سچائی

کی روشنی غالب آکر اسے محو کر دیتی ہے اور وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں خلیفہ اول کی جمع کردہ قرآن کی چند نقلیں

کرا کے مختلف بلاد میں بھیجیں۔ اور یہ حکم دیا کہ اس کے سوا جو لکھے ہوئے قرآن ہیں وہ ضائع کر دیئے

جائیں اور اب سے اس قرآن کے موافق پڑھا پڑھایا جائے۔ چنانچہ کتب حدیث اور تواریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور یہاں میں بھی ترمذی سے اسے نقل کرتا ہوں۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ حُذَيْفَةَ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يَغَازِي أَهْلَ الشَّامِ فِي فَتْحِ أَرْمِينِيَّةَ وَ  
أَذْرَبِيحَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَرَأَى حُذَيْفَةَ اِخْتَلَفَهُمْ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ لِعُثْمَانَ بِنِ عَفَّانَ  
يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ كَمَا اخْتَلَفَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ  
فَارْسَلَ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ رُدُّهَا إِلَيْكَ فَارْسَلَتْ حَفْصَةَ  
إِلَى عُثْمَانَ بِالصُّحُفِ فَارْسَلَهُ عُثْمَانَ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ  
بْنِ هِشَامٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ النِّسْخَةَ الصُّحُفِ فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ  
الثَّلَاثَةَ مَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَابْتَوَاهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَأَتَمَّا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ حَتَّى لَسَخُوا  
الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ وَبَعَثَ عُثْمَانُ إِلَى كُلِّ أَقْبِ بِمُصْحَفٍ مِنْ تِلْكَ الْمَصَاحِفِ الَّتِي لَسَخُوا قَالَ  
الزُّهْرِيُّ وَحَدَّثَنِي خَارِجَةُ بِنْتُ زَيْدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ نَقَدْتُ آيَةً مِنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ كُنْتُ  
أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهَا مِنْ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ  
عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَجْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ فَأَلْتَمَسْتُهَا فَوَجَدْتُهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بِنْتِ ثَابِتٍ أَوْ  
أَبِي خُزَيْمَةَ فَالْحَقَّتْهُمَا فِي سُورَتِهِمَا - هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا  
مِنْ حَدِيثِهِمْ - ج ۲ ص ۱۳

ترجمہ :- انس کا بیان ہے کہ حذیفہ آرمینیا اور آذربایجان کے غزوہ سے واپس ہو کر حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ لوگوں میں قرآن کی قرارت میں بہت اختلاف ہے۔ قبل اس کے کہ لوگ یہود اور نصاریٰ کی طرح گمراہ ہوں آپ اس کی تلافی اور انتظام کر دیجئے۔ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ صحیفے میرے پاس بھیج دو تاکہ میں اس کی نقلیں کراؤں۔ پھر میں اسے تمہیں واپس دوں گا چنانچہ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے بھیج دیئے۔ حضرت عثمان نے زید، سعید، عبدالرحمن، عبداللہ کو اس پر مامور کیا کہ وہ نقل کریں۔ اور فرمایا کہ اگر باہم اختلاف ہو تو قریش کے لغت میں لکھو اور اسے ترجیح دو اس لئے کہ انہیں کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے ان لوگوں نے نقلیں کیں اور حضرت عثمان نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک طرف بھیج دیا زہری کہتے ہیں کہ زید کے بیٹے خارجہ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے باپ زید نے کہا کہ سورہ احزاب میں اس آیت کو جسے میں نے آنحضرت کو پڑھتے سنا تھا نہیں پایا اور وہ آیت یہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَجْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ اس کو تلاش کیا تو خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس ملی تب میں نے اس کو اپنی جگہ

سورۃ میں لکھ دیا۔

زہری کی اس حدیث سے یہ پانچ باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

(۱) حذیفہ بن الیمان کو آرمینہ اور آذربيجان کے غزوہ میں جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں قرآن میں اختلاف ہے تو واپسی کے بعد حذیفہ نے خلیفہ سوم سے درخواست کی کہ اس کا انتظام کریں اور اس اختلاف کو روکیں۔

(۲) خلیفہ سوم نے حذیفہ کے مشورہ سے زید، سعید، عبدالرحمن، عبداللہ کو اس پر مقرر کیا کہ وہ خلیفہ اول کے لکھائے ہوئے قرآن کی نقلیں کریں اور اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغت قریش کے موافق اسے لکھیں۔

(۳) ان نقل شدہ قرآن کا ایک ایک نسخہ ہر طرف روانہ کیا۔

(۴) اس قرآن میں سورۃ احزاب کا اخیر نہ تھا جس کو خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس سے تلاش کر کے لکھا۔

(۵) حضرت عثمان نے سوا اس کے کہ حضرت ابوبکر کے قرآن سے نقل کرائی اپنی طرف سے اور کوئی امر جدید نہیں کیا۔ میں یہاں چند امور کی تنقیح کرتا ہوں جس سے حضرت عثمان کے اس جمع قرآن کی روایت پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

**تنقیح** (۱) آذربيجان والوں نے جو معاہدہ خلیفہ دوم کے عہد میں ۲۲ھ میں کیا تھا۔ وہ خلیفہ سوم کے زمانہ میں توڑ دیا۔ اس پر خلیفہ سوم نے ۲۲ھ میں ولید بن عقبہ کو آذربيجان

پر متبعین کیا اور ولید نے پھر دوبارہ اُسے فتح کیا۔ اور ۲۲ھ میں ہی حضرت عثمان نے قرآن لکھائے۔ اگرچہ ابن خلدون اور کامل ابن اثیر وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ ۲۳ھ میں یہ قرآن لکھائے گئے مگر علامہ ابن حجر شارح بخاری فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ درحقیقت یہ ۲۵ھ میں ہوا ہے۔ چونکہ خلیفہ دوم کا انتقال ۲۳ھ کے آخر میں یعنی ۲۴ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوا تو یہ اختلاف جس

کی خبر حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو دی تھی نیا نہ تھا یعنی خلیفہ سوم کے عہد میں پیدا نہ ہوا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک سال کی مدت میں ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ دراصل یہ اختلاف قراء صحابہ میں تھا اور صحابہ میں سے جو ملک میں تعلیم قرآن کے لئے روانہ کئے گئے تھے انہوں نے اپنی اپنی قراءت کے موافق

قرآن پڑھا یا تو وہ اختلاف اُن کے شاگردوں میں رہا۔ اور خلیفہ اول اور دوم کے عہد میں برابر یہ اختلاف تھا جس کی خبر حذیفہ نے خلیفہ سوم کو دی مگر تعجب ہے کہ ان دونوں خلفاء نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور یہ ناممکن ہے کہ اس اختلاف کا علم ان دونوں خلفاء کو نہ ہوا ہو۔ خصوصاً خلیفہ دوم کو جو اپنے عہد میں تمام باتوں کی خبر رکھتے تھے۔ حالانکہ خلیفہ اول اور دوم کو اس کا بہت

زیادہ خیال تھا کہ مسلمانوں میں کسی طرح سے اختلاف نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے اُن کے عہد میں کسی قسم کا اختلاف مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ جیسا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفاء کے مقصد دوم صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں۔ لہذا درین عصر اختلاف مذہب و تشنت آراء واقع نشد ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع و آن مذہب خلیفہ و راے او بود اور یہی علامہ ابن حزم نے لفصل میں لکھا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ امر بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے کہ ۲۵ھ تک ممالک اسلامیہ میں قرآن کی جس قدر اشاعت ہوئی وہ خلیفہ دوم کی توجہ سے ہوئی۔ انہوں نے معلم بھیجے، وظائف مقرر کئے۔ پھر ضروری ہے کہ ان تمام معلموں نے خلیفہ کی ہدایت کے موافق قرآن کی تعلیم دی ہوگی۔ کیونکہ فاروق اعظم کی یہ عادت تھی کہ معلمین کو روانہ کرتے وقت ضروری ہدایت کر دیتے تھے۔ خصوصاً ایسے امور سے سختی کے ساتھ روکتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف ہو جس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ اُس عہد میں قرآن میں ایسا اختلاف نہ ہوتا جس کے رفع کرنے کی ۲۵ھ میں خلیفہ سوم کو ضرورت پیش آئے۔

(۲) ۲۵ھ تک تمام ممالک اسلامیہ میں قرآن کی اشاعت جس قدر بھی ہوئی تھی وہ اُن صحابہ نے کی تھی جنہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا۔ اور آپ سے سنا اور پڑھا اور لکھا تھا اور جن قرار اور حفاظ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے بار بار قرآن سنا۔ آپ کی زبان مبارک سے قرآن کو یاد کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنا یا اور خود آنحضرت نے بھی اُن پر وثوق و اعتماد کر کے انہیں قرآن پڑھانے اور تعلیم کی اجازت دی اور آنحضرت کے عہد میں ہزاروں کو انہوں نے قرآن پڑھا دیا تو ان حفاظ اور قرار نے آنحضرت سے جس طرح قرآن سنا اور یاد کیا وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی اُس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ اُن صحابہ کی تو بڑی شان ہے۔ آج بھی اگر کسی مسلمان کو اس کا یقین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام اس طرح کیا اور فلاں بات کو یوں فرمایا ہے یا قرآن کا فلاں حرف اس طرح پڑھا ہے تو وہ بھی اُس کے خلاف ہرگز نہ کرے گا اور اسی پر قائم رہے گا خواہ اُسے مالی اور جانی دونوں قربانی کرنی پڑیں۔ اب جن صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا اور اسی طرح جن لوگوں نے ان صحابہ سے قرآن لکھا پڑھا تھا اگر اُن میں باہم اختلاف تھا تو خلیفہ سوم کے کہنے سے وہ اُس قرائت اور قرآن کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اپنے اساتذہ، صحابہ کرام سے یاد اور سیکھا اور لکھا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ خلیفہ سوم اُن سے اُن کے اُس قرآن کو جو انہیں پہنچا تھا لے کر ضائع کر دیتے اور اُن کے دلوں سے اُس نقش کو مٹا دیتے جو اُن کے اساتذہ کرام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کے پاک دلوں پر کیا تھا جن کو اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت سے واقفیت ہے اور جن

حضرات نے اُن مقدس اصحاب کی تاریخ کے دیکھنے کا شرف حاصل کیا ہے اُن کو اس امر کے باور کرنے کے لئے تاریخی کا کوئی پردہ حائل نہیں کہ خلیفہ سوم کے اختیار سے بلکہ خلیفہ دوم و سوم کے اختیار سے بھی یہ بات خارج تھی۔ بلکہ کوئی قوت بھی ایسی نہ تھی جو اُسے اُس قرائت کو چھڑا کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اُن کے اُستادوں سے اُنہیں پہنچی ہے دوسری قرائت کو رائج کرتے اور اس اختلاف کو اٹھا دیتے۔

(۳) ممالک اسلامیہ میں آج بھی جو قرآن لکھے ہوئے ہیں اور جس قدر قرآن کے قاری ہیں اس وقت بھی اُن کی سندیں موجود ہیں اور ہر قاری آج بھی قرآن کو اُسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اُس نے اُسے اپنے اُستاد سے سنا ہے۔ اور جو اختلاف قراۃ قرآن صحابہ میں تھا وہ آج تک بھی اُن کے شاگردوں میں ہے اور ہر شخص اُسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اُسے پہنچا ہے۔ جو شخص تمام دنیا میں سفر کر کے مسلمانوں کی قرائت کو مختلف ملکوں میں سُنے گا وہ ضرور اس اختلاف کو دیکھے گا پھر خلیفہ سوم نے وہ کس اختلاف کو مٹایا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اور یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جس سے کسی فتنہ کا خوف ہو۔ یہ معمولی لب و لہجہ وغیرہ کا اختلاف ہے۔ بلکہ یہ اختلاف سرور کائنات کے عہد میں بھی تھا جس کو خود آنحضرت بھی جانتے تھے۔ اور آپ ﷺ کے حضور میں یہ اختلافات پیش بھی کئے گئے مگر آپ نے اس کو جائز رکھا۔ پھر جس کو آنحضرت نے جائز رکھا تو کیا کوئی مسلمان خصوصاً صحابہ اس کو ناجائز رکھیں گے؟ ہرگز نہیں دوسرے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کے اس اختلاف کی وجہ سے آج تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ یا گمراہی نہیں ہوئی جس کا خطرہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہاں ممکن ہے کہ قرآن کی رسم خط میں اختلاف ہو اور حضرت عثمان نے قرآن کی رسم خط قائم کی ہو۔

(۴) مسلمان قرآن کے پڑھنے میں محض لکھے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس میں اس کی ضرورت ہے کہ وہ قرآن ایسے شخص کو سنائیں جس کی سند کا سلسلہ آنحضرت تک ہو۔ اور بلا ایسے شخص کے سنائے اور سند حاصل کئے قرآن پڑھنا درست نہیں۔ اور اس میں مسلمانوں نے اس قدر احتیاط کی ہے کہ قرآن کے سوا حدیث میں بھی اُسی شخص کا اعتبار ہے جس نے سند حاصل کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی سند ہو۔ جو شخص آج بھی بلا سند حاصل کئے محض اپنی قابلیت کے اعتماد پر لکھی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر حدیث پڑھنا چاہے تو اس کی حدیث کا اعتبار نہیں اور کوئی مسلمان اس سے حدیث نہیں پڑھے گا۔ اور ایسا شخص قابلِ سزا ہوگا۔ جو لوگ قرآن پڑھتے اور حدیث کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن سند نہیں رکھتے تو وہ بھی سند یافتہ کے حلقہ درس میں برسوں رہ کر اور سنا کر سند حاصل کرتے ہیں تب وہ اس لائق ہوتے ہیں کہ لوگ اُن سے پڑھیں۔

ورنہ نہیں۔ آج تک جس قدر قرار ہوئے اور ہیں وہ تمام اپنی قرأت اور قرآن کی سنداً انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں جس سے اس امر میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح سے قرآن پہنچا ہے اور صحابہ نے جس طرح انھیں پڑھایا تھا وہ آج تک بلا کسی تغیر و تبدل کے برابر پڑھتے چلے آئے ہیں اور اسی طرح مسلمانوں میں اس کا رواج ہے۔ جو اختلاف صحابہ کے قرار توں میں تھا وہ اب بھی ان کے شاگردوں میں ویسے ہی محفوظ ہے۔ قرار صحابہ کی قرأتیں ہم تک بتواتر پہنچی ہیں۔ جن میں شہر کی اصلاً گنجائش نہیں۔ اب ان متواتر اور یقینی باتوں پر اس ایک شخص کی خبر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور ایسی ظنی اور وہمی باتوں سے ہم یقین اور تواتر کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام قرأت صحابہ کی سندیں آج تک رائج ہیں اور صحابہ نے جس ملک میں تعلیم دی اور وہاں کے باشندوں کو جس طرح سے پڑھایا آج تک وہاں کے باشندے اسی طرح پڑھتے ہیں۔ تو پھر خلیفہ سوم کے اختلاف قرأت کے مٹانے کی روایت کا پورا پورا حال معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی صحت اور صداقت کا پایہ جو ہے وہ ہر شخص پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔ قَلْوَرَامَ عَثْمَانَ مَاذَكَرُوا مَا قَدَرَعَلَىٰ ذَٰلِكَ۔ یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے تمام قرأت مٹا کر ایک قرأت رکھی یہ ان کی غلطی ہے۔ یہ امر حضرت عثمان کے اختیار میں نہ تھا۔ اور جب ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں کہ قرأت صحابہ کا اختلاف قرأت اس وقت بھی ان کے شاگردوں میں برابر چلا آ رہا ہے تو پھر حضرت عثمان نے کس اختلاف کو مٹایا۔

(۵) زید نے خلیفہ اول کے عہد میں ان صحائف میں تمام قرآن نقل کیا تھا مگر تعجب ہے۔ بارہ تیرہ سال تک یہ ویسے ہی جزدان میں رکھا رہا۔ کسی نے نہ دیکھا۔ اور اگر دیکھا بھی تو کسی کو اس کا پتہ نہ چلا کہ سورۃ احزاب سے ایک آیت اس میں لکھنے سے رہ گئی۔ جس کا پتہ اس وقت خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کراتے وقت ہوا۔ اور تعجب ہے کہ آنحضرت کے عہد مبارک سے خلیفہ سوم کے عہد تک سورۃ احزاب کی اس آیت کو کسی نے نہیں لکھا سوائے خزیمہ کے اور کسی پاس نہ نکلی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی ایک بات اس روایت کی صداقت اور عدم صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ علاوہ اس کے زید نے خلیفہ اول کے عہد میں جب نہایت کوشش اور سعی سے قرآن جمع کیا۔ اور زید کو قرآن یاد بھی تھا۔ تو اس وقت سورۃ احزاب کی آیت کا لکھنے سے رہ جانا ایک ایسی بات ہے جو انسانی فہم سے بالاتر ہے۔ اور جب زید کے لکھنے اور حفظ کی یہی حالت ہے تو ممکن ہے کہ اس میں اور بھی بعض آیات چھوٹ گئی ہوں۔ اگر زید تیسری بار پھر نقل کرتے تو ممکن تھا کہ وہ پھر زید کو یاد آجاتیں۔ مسلمانوں کے یہاں ایسی روایات



کی جو وقعت ہے وہ اسے خوب جانتے ہیں جن کو ایسی روایات میں دخل ہے کیا محض زید کے لکھنے اور ان کی یاد کے بھروسے اور وثوق پر قرآن مان لیا گیا ہے۔ اور کیا محض زید کے کہنے اور لکھنے سے قرآن میں کسی آیت کا اضافہ ممکن تھا۔ این خیال ست و محال ست و جنون۔ ہزاروں قرآن کے نسخے بلکہ لاکھوں اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوں گے اور اس سے بھی بہت زیادہ حفاظ قرآن موجود تھے۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے بڑے۔ مرد۔ عورت۔ اوتی۔ اعلیٰ کی زبان پر قرآن کا حرف حرف برق کی طرح رواں تھا۔ مسجدیں اور نمازیں اس کی صدا سے گونج رہی تھیں۔ کہا پچیس سال میں بلکہ سینتیس سال میں جس قدر قرآن کی اشاعت ہو گئی تھی وہ زید اور خلیفہ سوم کی سعی سے بے نیاز تھی۔ اور اتنے مسلمانوں کے دلوں سے کسی حرف یا قرارت کا دھو دینا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن کے الفاظ خدا کے الفاظ ہیں اور وحی الہی کے جو لفظ تھے آنحضرتؐ نے بعینہ انہیں الفاظ کو پہنچایا۔ اُن آسمانی الفاظ کے بجائے دوسرے لفظوں کو رکھنا خواہ وہ آسمانی لفظوں کے ہم معنی ہی کیوں نہ ہوں نہ آنحضرتؐ سے ممکن ہے اور نہ کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کی نبوت سے ۲۵ تک یعنی اڑتیس سال کی مدت میں تمام اسلامی شہروں میں اس کی اشاعت کمال عروج تک پہنچ گئی تھی۔ اور مسلمانوں کے سینوں اور سینوں دونوں میں قرآن کا ہر ایک لفظ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ رمضان میں سلامی دنیا کی ہر مسجد میں کم سے کم ایک بار ضرور پڑھا جاتا تھا۔ پنجگانہ نمازیں۔ آخرات میں۔ روزانہ تلاوت میں اس کا مشمول تھا۔ اس وقت قرآن کی یہ حالت نہ تھی کہ اس سے مسلمان ناواقف ہوں۔ یا جو قرآن مسلمانوں کے دلوں۔ زبانوں۔ صحیفوں۔ تعلیم گاہوں میں داخل ہو گیا تھا اس پر شک و شبہ کا پردہ کوئی ڈال سکے۔

اب ایسی حالت میں خلیفہ سوم کا اُن لوگوں کو جو قرآن لکھنے پر مقرر کئے گئے تھے یہ ہدایت کرنا (اگر کسی لفظ میں تمہیں اختلاف ہو تو ایسی صورت میں وہ لفظ لکھنا جو قریش کے یہاں مستعمل ہے۔ کیونکہ قرآن قریش ہی کی لغت میں نازل ہوا جیسا اس روایت میں ہے۔ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الشَّلَاثَةَ مَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَوَدِيدُ بْنُ ثَابِتٍ فَالْتَبَّوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا نَزَّلَ بِلِسَانِهِمْ یعنی خلیفہ سوم نے ان لوگوں میں سے جو قرآن لکھنے پر مقرر کئے گئے تھے قریش کو کہا کہ تم سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو اپنی زبان کا لفظ لکھنا کیونکہ تمہاری ہی زبان میں قرآن اترا ہے) اس روایت کے اعتبار کو مسلمانوں سے کیا مخالفین اسلام کی نظروں سے بھی کھودیتا ہے۔ اور جو شخص مسلمانوں کی حالت اور قرآن کی تاریخ سے واقف ہے

وہ ہرگز کسی حالت میں اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن اس ہی روایت کے موافق جب قریش کی لغات میں نازل ہوا ہے قریش کی زبان کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ اس میں نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن جن الفاظ میں نازل ہوا ان ہی الفاظ میں آنحضرت نے پہنچایا اور مسلمانوں نے وہی الفاظ یاد کئے۔ لکھے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ زید جو انصار سے ہیں نہ قریش سے ان کے قرآن میں کوئی ایسا لفظ ہو جو قریشی نہیں یعنی وہ درحقیقت قرآن کا لفظ نہیں یا ان کو قرآن کے الفاظ کے بجائے دوسرے لفظ یاد ہوں۔ حالانکہ زید وہ شخص ہیں جو پچیس سال تک برابر قرآن پڑھاتے رہے۔ قرآن کا درس دے کر کئی ہزاروں کو قرآن کا حافظ بنایا۔ عہد مبارک میں وحی یعنی قرآن لکھتے تھے۔ آخر سال میں حضرت جبریل سے جو آنحضرت نے دوبار قرآن کا دور کیا تھا تو اس میں یہ زید برابر کے شریک تھے۔ تمام قرآن آنحضرت کے عہد میں یاد کیا تھا۔ اور لکھا تھا خلیفہ اول و دوم نے ان کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دی اور انہیں پر اپنا زیادہ اعتماد ظاہر کیا اسی لئے انہیں کو تنہا قرآن لکھنے پر مقرر کیا۔ اور اس وقت کسی قریشی کو اس کام میں ان کا شریک نہ کیا۔ اور نہ یہ ہدایت کی کہ قریش کی زبان میں لکھنا۔ اب ایسی صورت میں خلیفہ سوم کا زید کے ساتھ ان کو یعنی سعید۔ عبدالرحمن۔ عبداللہ جو قریش سے ہیں شریک کرنا اور یہ فرمانا کہ تم تینوں سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو وہاں زید کا اعتبار نہ کرنا۔ بلکہ اپنی زبان کے موافق لکھنا۔ حالانکہ یہ تینوں شخصوں نہ مشہور قرار سے ہیں اور نہ زید کی مثل ماہر ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ زید کے مقابلہ میں ان کا پلہ بھاری ہو۔ کیونکہ آنحضرت کی وفات کے وقت سعید اور عبداللہ نو سال کے تھے۔ عبدالرحمن دس برس کے اور آنحضرت سے انہوں نے کچھ نہیں پڑھا تھا۔ اور زید نے تمام قرآن آنحضرت سے پڑھا تھا۔ پھر ایسی صورت میں زید سے یہ تینوں اگر قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف کریں تو بہمقابلہ زید کے پھر بھی ان کا اعتبار ہونا مسلمان اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور کیا یہ ممکن تھا کہ زید نے جن الفاظ کو آنحضرت سے خود سنا تھا۔ اور آنحضرت نے خود تعلیم فرمایا۔ ان الفاظ کو چھوڑ کے خلیفہ کی ہدایت کے موافق ان تینوں کے بتائے ہوئے لفظوں کو لکھتے۔ ہرگز نہیں اور کیا کوئی مسلمان اس کا یقین کر سکتا ہے کہ خلیفہ نے زید کو اس قسم کی ہدایت کی ہوگی کہ تم نے جن الفاظ کو آنحضرت سے سنا۔ آنحضرت نے جن الفاظ کو تمہیں تعلیم دیا۔ جن الفاظ کو تم اب تک پڑھتے رہے۔ اور ایک بڑی جماعت کو تم نے تعلیم کیا۔ ان الفاظ کو تم محض اس لئے چھوڑ دینا کہ وہ قریش کی لغت کا نہیں۔ اور قرآن قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ زید نے اگر آنحضرت سے قرآن میں عربی کے سوا دوسری زبان کا لفظ بھی سنا یا پڑھا ہوتا تو پھر تمام عالم کے کہنے سے بھی وہ اس لفظ کو کسی طرح چھوڑ

نہیں سکتے تھے۔ خواہ ان کو یوں سمجھایا ہی جاتا کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے اور یہ لفظ عربی نہیں۔ کیونکہ کسی لفظ کا قرآن میں آنحضرت کی زبان سے سن لینا یا آپ سے تعلیم پانا ایک ایسی مضبوط اور مستحکم دلیل ہے کہ قرآن کی تمام عمارت اسی پر قائم ہے نہ کسی قیاس اور گمان پر۔ اور کیا ایسے قیاسات سے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے یا قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے قرآن کا کوئی حرف اپنی جگہ سے متزلزل ہو سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے اس یقین میں جو انوار نبوت سے حاصل ہوا ہے کسی قسم کی تاریکی کا دھبہ پڑ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اس کے علاوہ تمام قرآن کا قریش کی لغات کے موافق ہونا خود صحیح نہیں۔ بلکہ قریش کے سوا دوسرے الفاظ بھی قرآن میں ہیں۔ پھر جب یہ بات خود ثابت نہیں اور خلاف ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عثمان قرآن کے متعلق ایک غلط بات فرمائیں اور زید بن ثابت اُسے تسلیم کر لیں۔ اور اگر حضرت عثمان نے ایسا فرمایا تھا اور واقعی یہ امر صحیح بھی تھا کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے تو پھر یہ ضروری تھا کہ یہ موجودہ قرآن جو اس وقت تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور حضرت عثمان کا لکھا ہوا ہے اس میں کوئی لفظ غیر قریش کا نہ ہوتا۔ حالانکہ اس میں قریش کے سوا بھی دیگر اہل عرب کے لغات ہیں اب موجودہ قرآن کو اس روایت کے اس معیار پر جانچو اور دیکھو کہ یہ وہی قرآن ہے جس کو حضرت عثمان نے فرمائی لکھایا تھا۔ یا ویسا نہیں۔ اور اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ روایت کس درجہ قابل تسلیم ہے۔

(۷) قرآن اگر قریش ہی کی زبان سے مخصوص ہے تو یہ ایسی بات نہیں جس کو صرف حضرت عثمان ہی جانتے ہوں بلکہ یہ وہ امر ہے جسے اس وقت کا ہر قرآن داں جو عرب کا باشندہ تھا جانتا ہوگا۔ خصوصاً خلیفہ اول اور دوم تو ہرگز اس سے ناواقف نہ ہوں گے۔ پھر جو قرآن زید سے خلیفہ اول نے بہ مشورہ خلیفہ دوم لکھایا تھا ضرور وہ قریش ہی کی زبان میں لکھایا ہوگا۔ اور ضرور خلیفہ اول اور دوم کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اب یہ ناممکن ہے کہ اس قرآن میں کوئی اس زبان کا لفظ ہو جس میں قرآن نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ اول تو زید نے خود ہی اس قرآن میں ایسے لفظ نہ لکھے ہوں گے۔ اور اگر غلطی سے لکھے بھی ہوں تو خلیفہ اول اور دوم نے ضرور اس کی اصلاح فرما کر اس غلطی سے زید کو متنبہ کیا ہوگا تاکہ پھر یہ غلطی نہ ہو کہ قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات کا کوئی لفظ قرآن شریف میں لکھا جائے اور اس اصلاح اور تنبیہ کے بعد ناممکن ہے کہ اس قرآن شریف میں جو خلیفہ اول کے وقت میں لکھا گیا تھا پھر ایسا لفظ ہوتا جو قریش کی لغات سے نہ ہوا اور دیگر اہل عرب کے لغات سے ہوتا اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کی تاکید اور تنبیہ کے باوجود زید سے پھر بھی ایسی غلطی ہوئی ہو کہ کوئی لفظ قریش

کے لغات کے سوا کا ایسا رہ گیا ہو جس پر زید کی نظر کسی وجہ سے نہ پڑی ہو لیکن خلیفہ سوم کے عہد میں جب قرآن شریف کے نقل کی خدمت زید کو ملی اور سعید اور عبدالرحمن عبداللہ بن زبیر کا (جو بطون قریش سے ہیں) اس لئے تقرر ہوا۔ کہ جب کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغت قریش کے موافق اسے لکھیں اور پھر حسب حکم خلیفہ سوم کے ان لوگوں نے لکھا تو اب ایسی حالت میں یہ غیر ممکن تھا کہ قرآن شریف میں کوئی ایسا لفظ رہ گیا ہو جو قریش کے لغات سے نہ ہو۔ مگر واقعہ اس کے خلاف ہے اور قرآن شریف میں اس وقت بھی ایسے الفاظ ملتے ہیں جو قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات سے ہیں جس سے صاف اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

(۸) زید کا یہ بیان کہ سورہ احزاب کی اس آیت کو جسے میں نے آنحضرتؐ کو پڑھتے سنا تھا نہیں پایا۔ اور تلاش کے بعد خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس سے ملی یہ وہ بات ہے جو بالکل خلاف عقل ہے اس لئے کہ زید کے پاس خود اپنا ذاتی لکھا ہوا قرآن ایسا صحیح موجود تھا جس کو زید نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود آپ کی زندگی کے اس آخری رمضان میں سنایا تھا جس میں آپ نے دو مرتبہ قرآن شریف حضرت جبریلؑ سے دور فرمایا تھا علاوہ اس کے اور دوسرے صحابہ جیسے معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو دردار، ابو زید، محمد بن عبید، عثمان بن عفان، تمیم داری، عبادہ بن صامت، ابو ایوب کے پاس بھی پورا قرآن شریف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھایا ہوا موجود تھا پھر یہ بات کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کہ تلاش کے بعد محض ابو خزیمہ یا خزیمہ کے پاس ملی بلکہ یہ ایک ایسی ناقابل قبول بات اس روایت میں ہے جو اس روایت کو معیار صحت سے گرا دینے کے لئے کافی ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف پورے قرآن شریف کے عہد نبوی میں لکھے جانے کے متعلق اس کثرت سے روایتیں موجود ہیں جو تو اتر کے مرتبہ کو پہنچ گئی ہیں۔

(۹) اشتباہ کی تیسری روایت جو بخاری کی ہے اس میں زید کا بیان ہے کہ میں نے کھجور کے پتوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور آدمی کے سینے سے قرآن جمع کیا اور لکھا یعنی کسی آیت یا کسی سورہ کو محض لکھے ہوئے ٹکڑوں پر اعتماد کر کے خلیفہ اول کے عہد میں قرآن میں نہیں لکھا گیا تھا بلکہ حفاظ صحابہ پر بھی آیت اور سورہ پیش کی گئی تھی اس کے بعد لکھا گیا تھا۔ تو اب حیرت ہے کہ ایسی حالت میں جب سورہ احزاب حفاظ پر پیش کی گئی کس طرح اس کے آخر کی آیتیں لکھنے سے رہ گئیں جو خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کے وقت معلوم ہوئیں؟ کیا حفاظ صحابہ کی جماعت میں سب کو ایک قلم یہ آیت ذہول ہو گئی تھی اور کسی کو سورہ احزاب کی آخری آیتیں

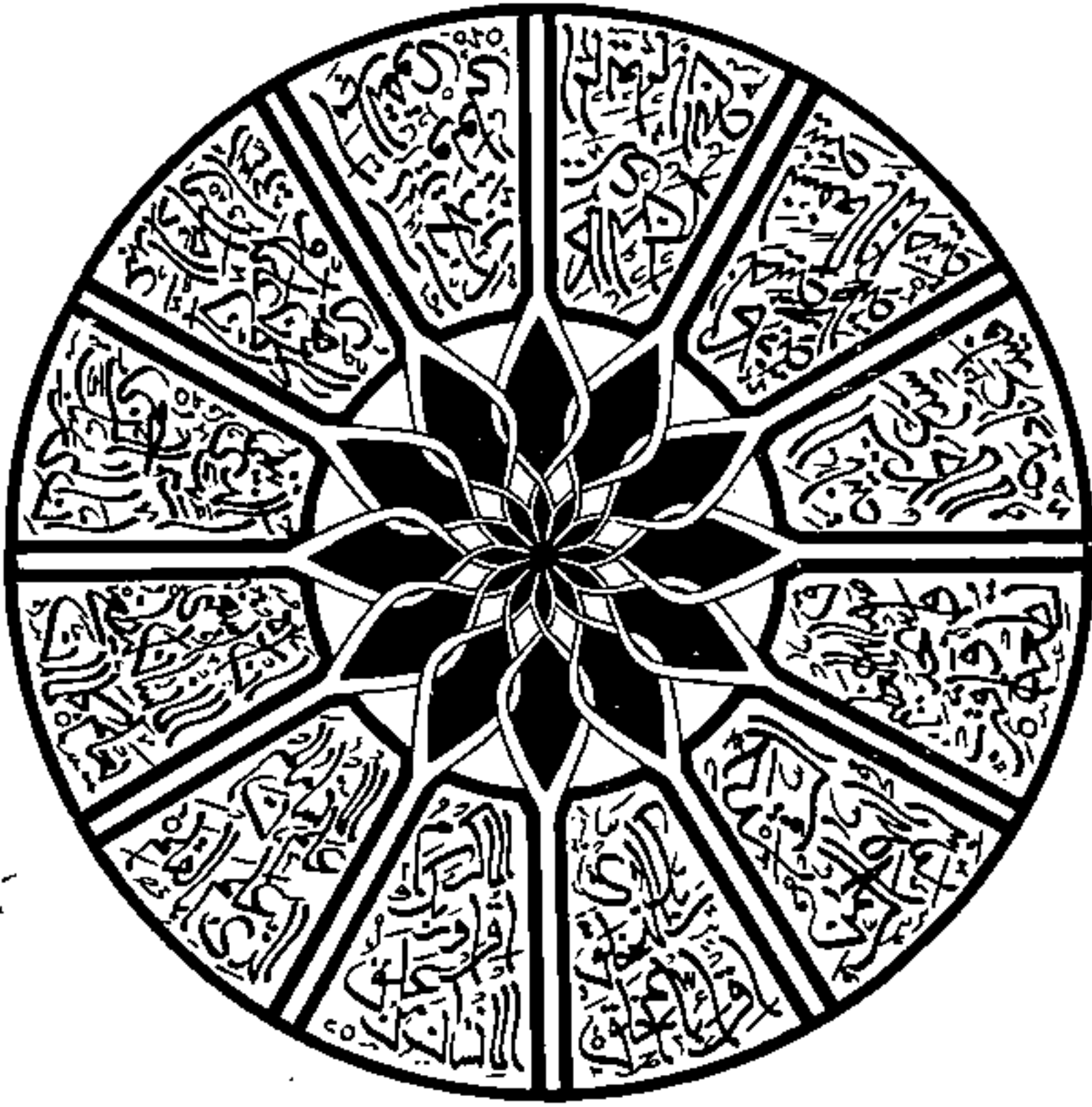
یاد نہ تھیں جس کی وجہ سے مصحف صدیقی ناقص رہا۔ اور خود زید کو بھی جو مصحف صدیقی کے کاتب تھے اور قرآن کے حافظ تھے وہ بھی اس کو سارے حفاظ صحابہ کے ساتھ بھول گئے تھے۔ ایسے واقعہ پر کوئی آنکھ بند کر کے صحت کی ہر کردے مگر کوئی ذی ہوش اور صاحب بصیرت ایسے ناقابل قبول واقعہ پر ایک منٹ کے لئے اعتماد نہیں کر سکتا ہے۔ بالخصوص یہ کہ عہد صدیقی میں حفاظ صحابہ پر پیش کر کے قرآن جمع کیا جاتا ہے اور خلفاء راشدین رحمہم اللہ موجود ہیں اور چاروں قرآن کے حافظ ہیں پھر بھی مصحف صدیقی میں سورہ احزاب کی آخری آیتیں لکھی نہیں جاتی ہیں یہ سورہ ناقص رہتی ہے حالانکہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کو قرآن کی حفاظت اور اس کی صحت اور اس کے لفظ لفظ کی درستگی کا جس قدر اہتمام تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات ایسی خلاف روایت معلوم ہوتی ہے جس کو کوئی ذی علم جو حفاظ صحابہ اور خلفاء راشدین کی زندگی سے علم رکھتا ہو ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا ہے۔

(۱۰) اس روایت میں جس قرآن کو حضرت حفصہؓ کے پاس سے خلیفہ سوم نے طلب کیا تھا وہی قرآن ہے جس کے متعلق بخاری کی حدیث میں زید کا بیان یہ ہے کہ میرا لکھا ہوا قرآن زندگی بھر خلیفہ اکبر کے پاس رہا۔ اُن کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ مگر اتنے زمانہ تک جن صاحبوں کے پاس یہ قرآن رہا آیا اس طرح رہا۔ جس طرح مسلمان تبرکاً قرآن اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات کے متعلق ایسا خیال ایسی بدظنی ہے جو بعض الظن اثم کے مصداق ہے۔

بہر حال ان بزرگوں کی زندگی پر نظر رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ضرور اس قرآن سے تلاوت کی جاتی ہوگی کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کہ یاد سے دیکھ کر تلاوت کو وہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل پر۔ صحابہ کرام کی ذات سے بالکل مستبعد ہے کہ اس علم کے بعد ان کی خواہش اور کوشش نہ ہو۔ کہ دیکھ کر تلاوت کریں بالخصوص خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات۔ پس باوجود اس کے کہ مصحف صدیقی خلیفہ سوم کے عہد تک ہمیشہ ایسے لوگوں کے پاس رہا جو حافظ تھے اور جو بھوائے حدیث مذکور باوجود حافظ ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں گے مثلاً حضرت ابو بکر پھر اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ باوجود حافظ ہونے کے فضیلت مذکور کی بنا پر ضرور دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں گے اسی طرح حضرت حفصہؓ بھی باوجود حافظ ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتی ہوں گی۔ تو ایسی حالت میں سورہ احزاب کے آخر کی آیتوں کے متعلق کسی کو خبر نہ ہو اور اس غلطی کا اتنے دنوں تک رہ جانا اور خلیفہ سوم کے عہد میں زید کو اس

کے نقل کے وقت معلوم ہونا ایک ایسی بات ہے جو انسان کی فہم سے بالاتر ہے کہ ایک حافظ نہیں بلکہ تین تین حافظوں نے اس زمانہ تک جس قرآن میں تلاوت کی ہو اس میں ایسی غلطی رہ گئی ہو۔ اور پھر خصوصیت یہ کہ ان تین حافظوں میں دو تو خلفاء راشدین کے سر تاج حضرت ابو بکر و عمرؓ تھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عمرؓ کے گھر میں پلی ہوئی اور ان کی تربیت میں نشوونما پائی ہو اس پر بھی غلطی رہ جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ میرے نزدیک ایسے اختلاف قرآن کے مٹانے کے لئے جس کو خود حضور نے سن کر سمجھ کر جائز رکھا تھا اور خلیفہ سوم کا قرآن شریف کی نقل پر زید کو مامور کرنا۔ اور اس کی نقل کے لئے باوجودیکہ خود زید کے پاس اپنا لکھا ہوا۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا ہوا قرآن موجود تھا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن شریف طلب کرنا اور باوجود اس کے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پورا قرآن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا موجود تھا۔ سورہ احزاب کی آخری آیتوں کا محض خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس ملنا ایسی باتیں ہیں جو یا تو بالکل بے اصل ہیں یا درمیان کے کسی راوی کے بیان کی وہ غلطی ہے جو اقتضائے بشریت سے بعید نہیں ہے۔ بہر حال یہ تمام روایات بمقابلہ اس تو اتر اور توارث کے جس سے قرآن ہمیں ملا ہے لائق اعتبار نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

عبد اللطیف رحمانی



## حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی کی مطبوعات

- ۱۔ مقاماتِ اخیر (سوانح حیات ابوالخیر) فارسی آفٹ ۲۰/۰۰
- ۲۔ مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر) اُردو  $\frac{۲۶ \times ۲۰}{۸}$  ۳۰/۰۰
- ۳۔ مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر)  $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$  ۲۵/۰۰
- ۴۔ حضرت مجددِ اوران کے ناقدین آفٹ ۱۵/۰۰
- ۵۔ تارخ القرآن از مفتی عبداللطیف رحمانی آفٹ ۱۵/۰۰
- ۶۔ بزمِ خیر از زید در جواب بزمِ جمشید آفٹ ۱۲/۰۰
- ۷۔ علامہ ابن تیمیہ اوران کے بمعصر علماء آفٹ ۱۲/۰۰
- ۸۔ معمولاتِ خیر از مولانا محمد نعیم اللہ خیالی آفٹ ۱۰/۰۰
- ۹۔ مجموعہ خیر البیان، خیر المورد، نظم شمائل ۱۰/۰۰
- ۱۰۔ منہج الألباء فی السّلام علی الانبیاء والرضاء عن الأولیاء ۱/۵۰

ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا